جدید اسرائیل پر اردو میں پہلی کتاب
جدید اسرائیل کی تاریخ
ریاستِ اسرائیل کی سیاست، معیشت اور
تہذیب وثقافت کا معلومات افزا انسائیکلوپیڈیا
محمد احسن بٹ
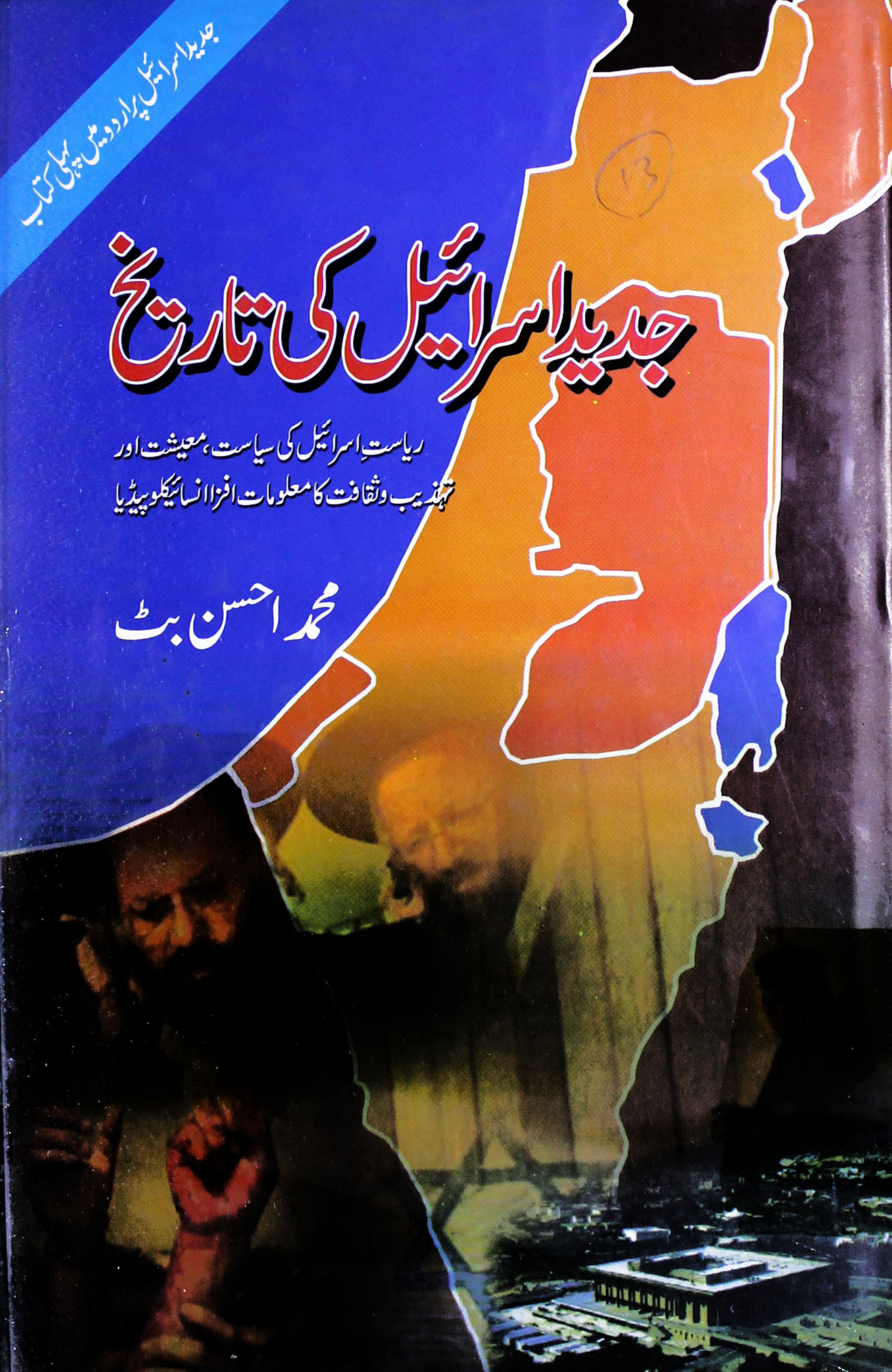
کتاب	⇐	جدید اسرائیل کی تاریخ
تحقیق و تصنیف	⇐	محمد احسن بٹ
اشاعت	⇐	2007ء
کمپوزنگ	⇐	طاہر مقصود
مطبع	⇐	علی فرید پرنٹرز لاہور
برائے دارالشعور	⇐	ہیڈ آفس: 32۔ میکلیگن روڈ، چوک اے جی آفس، لاہور شوروم: 42۔ مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور
قیمت	⇐	180/- روپے

اہتمام: محمد عباس شاد

E-mail: m_d7868@yahoo.com
Ph: 042-7239138,8435044
Mob:0300-9426395,0321-9426395

فہرست

عرضِ مصنف

دوسری عالمی جنگ کے بعد دنیا کے بیشتر علاقوں کی طرح مشرقِ وسطیٰ میں بھی نہایت اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں، جن میں ایک انتہائی اہم تبدیلی ریاستِ اسرائیل کا قیام تھا۔ ریاستِ اسرائیل کی سیاست، معیشت، طرزِ معاشرت اور تہذیب وثقافت کے حوالے سے اردو زبان میں کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ میں نے ''دارالشعور'' کے روح رواں عباس شاد سے اس موضوع پر ایک کتاب لکھنے کا خیال ظاہر کیا۔ انہوں نے اس آئیڈیا کو پسند کرتے ہوئے مجھے کتاب لکھنے کا کہا۔ خدا بھلا کرے جدید سائنس دانوں کا، میں نے پاکستان میں کتابوں کی عدم دستیابی کی صورت میں انٹرنیٹ سے استفادہ کیا اور تمام بڑے انسائیکلوپیڈیاز، اہم نشریاتی اداروں، سی آئی اے کی ورلڈ فیکٹ بک، اقوامِ متحدہ اور دیگر اہم عالمی اداروں کی ویب سائٹس سے معلومات یکجا کر کے زیرِ نظر کتاب ''جدید اسرائیل کی تاریخ'' تصنیف کی ہے۔ اس کتاب میں ریاستِ اسرائیل کے سیاسی نظام، صدر اور وزیرِ اعظم کے انتخاب، بنیادی قوانین، تعلیمی نظام، محیر العقول زرعی کارناموں، اسرائیلی کلچر، عبرانی زبان اور اسرائیلی ادب، اسرائیلی معاشرے میں مسلمانوں اور عربوں کی حیثیت و کردار، اسرائیلی ڈیفنس فورسز غرض ہر حوالے سے بنیادی نوعیت کی مصدقہ معلومات یکجا کی گئی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ سنجیدہ کتابوں کے قدردان اس خالصتاً علمی کاوش کو سراہیں گے۔

محمد احسن بٹ

پہلا باب

ارتزِیسرائیل (ارضِ اسرائیل)

○لفظ اسرائیل کا مفہوم ○ارضِ موعودہ ○ارضِ اسرائیل
○ارتزیسرائیل (ارضِ اسرائیل) کا محلِ وقوع ○ارضِ اسرائیل
○ارضِ اسرائیل اور ریاستِ اسرائیل ○ایلیاہ اور اسرائیل ○بالفور
ڈیکلریشن ○زیرِ زمین یہودی گروپ

لفظ اسرائیل کا مفہوم

تاریخی اعتبار سے لفظ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ انہیں ایک پُراَسرار دشمن کے ساتھ کشتی لڑنے کے بعد یہ لقب دیا گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی قوم کو ''بنی اسرائیل'' یا ''اسرائیلی'' کہا جانے لگا۔ جدید ریاستِ اسرائیل کے شہریوں کو بھی ''اسرائیلی'' کہا جاتا ہے۔

ارضِ موعودہ

بائبل کے مطابق خداوند نے ''ارضِ اسرائیل'' کو (جسے عبرانی میں ''ارتز یِسرائیل'' کہا جاتا ہے) حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اسی وجہ سے اسے ''ارضِ موعودہ'' کہا جاتا ہے۔

ارضِ اسرائیل

یہودی عیسائی فکر و فلسفہ میں ''ارضِ اسرائیل'' (ارتز یِسرائیل) ایک تاریخی اصطلاح اور تصور ہے۔ اس سے مراد ہے ''اسرائیلیوں کا وطن۔''

ارتز یِسرائیل (ارضِ اسرائیل) کا محلِ وقوع

''تناکا'' یعنی ''عبرانی بائبل'' (جسے عیسائی ''عہد نامۂ قدیم'' The Old Testament کہتے ہیں) میں ارضِ اسرائیل کی حدود کے حوالے سے متعدد بیانات ملتے ہیں، تاہم ان کے مطابق ارضِ اسرائیل ''مصر کے دریا'' سے دریائے فرات تک کے علاقے پر محیط ہے۔ گویا اس میں موجودہ دور کی ریاستِ اسرائیل (State of Israel) غربی کنارہ، غزہ کی پٹی، شام اور لبنان شامل ہیں۔ ان علاقوں کے علاوہ جزیرہ نمائے سینائی (Sinai Peninsula) کو بھی ارضِ اسرائیل میں شامل کیا جاتا ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ مصر سے بنی اسرائیل کی ملک بدری اسی راستے سے ہوئی تھی۔ یہودی مقدس صحائف

کے مطابق دریائے اُردن کی مشرقی جانب واقع علاقہ بھی، جس میں بیشتر اردن شامل ہے، ارضِ اسرائیل کا حصہ ہے۔ یہودی مقدس صحائف کے مطابق خداوند نے مصر سے نکلنے والے بنی اسرائیل کو ''ارضِ کنعان'' (ارتزکنعان) عطا کردی تھی۔

یہودی روایت میں اس علاقے کو ''مصر سے جلاوطن ہونے والوں کی سرحدیں'' کہا گیا ہے۔ انگریزی میں استعمال ہونے والی اصطلاح Promised Land (ارضِ موعودہ) سے وہ علاقہ مراد لیا جاتا ہے جس کا وعدہ کتابِ پیدائش (Genesis) میں خداوند نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا یا اس سے ''ارضِ کنعان'' مراد لی جاتی ہے۔ عموماً آخر الذکر معانی کو عام قبولیت حاصل ہے۔

یہودی مقدس صحائف میں کہا گیا ہے کہ ارضِ اسرائیل کو زمانہ آخر (End Times) میں یہودیوں کے بارہ قبیلوں میں برابر برابر تقسیم کردیا جائے گا۔ یہ وہ علاقہ ہوگا جس کی مشرقی سرحد پر دریائے اُردن ہے اور مغربی سرحد پر ''مصر کی ندی'' (The Brook of Egypt) یوں ان سرحدوں میں جدید ریاستِ اسرائیل، مقبوضہ علاقے، جدید مصر کا کچھ حصہ، جنوبی لبنان اور شام کا جنوب مغربی سرا آجاتا ہے۔

ارضِ اسرائیل اور ریاستِ اسرائیل

29 نومبر 1947ء کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی جس کی رُو سے فلسطین کے برطانوی انتداب (British Mandate of Palestine) کو ''ریاستِ اسرائیل'' (State of Israel) قرار دیا گیا۔ عبرانی زبان میں ریاستِ اسرائیل کو ''مدینات یسرائیل'' کہا جاتا ہے، جبکہ عربی میں "دولة الاسرائيل" کہتے ہیں۔

ریاستِ اسرائیل جغرافیائی اعتبار سے بحیرۂ روم کے جنوب مشرقی کنارے پر مغربی ایشیا میں واقع ہے۔ یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیا گیا ہے لیکن اس کی حیثیت متنازعہ ہے۔ چنانچہ بہت سے ملکوں نے اپنے سفارت خانے تل ابیب میں قائم کیے ہوئے ہیں۔

نظامِ حکومت کے اعتبار سے ریاستِ اسرائیل ایک پارلیمانی جمہوریہ (Parliamentry Democracy) ہے۔ یہ دنیا کی واحد ''یہودی ریاست'' ہے، تاہم

اس کی آبادی مختلف نسلی اور مذہبی پس منظروں کی حامل ہے۔

ایلیاہ اور اسرائیل

یہودی دنیا کے مختلف حصوں میں آباد تھے۔ سب سے پہلے 1881ء میں وہ عیسائیوں کے مذہبی تشدد سے بچنے کے لیے ان علاقوں میں پناہ گزین ہوئے جنہیں آج اسرائیل کہا جاتا ہے۔ یہودیوں کی اس نقل مکانی کو عبرانی میں ''ایلیاہ'' کہا جاتا ہے۔ ایلیاہ کی دوسری وجہ موشے ہیس کے سوشلسٹ صیہونی نظریات تھے۔ یہودیوں نے عثمانی حکومت کے کارپردازوں اور عرب زمینداروں سے اراضی خرید لی اور بستیاں بسا کر کھیتی باڑی کرنے لگے۔ جس کے بعد مقامی عربوں کے ساتھ ان کی کشیدگی بھی رونما ہوئی۔

ایک آسٹریائی یہودی تھیوڈور ہرزل (Theodor Herzl, 1860-1904) نے صیہونی تحریک (Zionist Movement) کی بنیاد رکھی تھی۔ اس نے 1896ء میں ''یہودی ریاست'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی جس میں ایک قومی یہودی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ 1897ء میں اس نے پہلی عالمی صیہونی کانگرس منعقد کی۔

صیہونی تحریک کے نتیجے میں 1904ء سے 1914ء کے دوران ایلیاہ کی دوسری لہر اٹھی اور تقریباً چالیس ہزار یہودی ان علاقوں میں جا بسے جنہیں آج ریاست اسرائیل کہا جاتا ہے۔

اسرائیل کا رقبہ

اسرائیل کا کل رقبہ 22145 مربع کلومیٹر ہے، بشمول مقبوضہ علاقوں کے۔ یہ دنیا کا 149واں بڑا ملک ہے۔

بالفور ڈیکلریشن

1917ء میں برطانوی وزیر خارجہ آرتھر جے بالفور (Arthur J. Balfour) نے ''بالفور ڈیکلریشن'' (Balfour Declaration) پیش کیا، جس میں ''یہودی عوام کے لیے فلسطین میں ایک الگ قومی وطن'' (National Home) کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ 1920ء میں فلسطین کو لیگ آف نیشنز کا برطانیہ کے زیر انتظام انتداب (League

of Nations' Mandate Administered by Britain) بنادیا گیا۔

پہلی عالمی جنگ کے بعد 1919ء تا 1923ء اور 1924ء تا 1929ء میں ایلیاہ کی تیسری اور چوتھی لہر اُمڈی۔ اس دوران مقامی آبادی اور یہودیوں کے مابین تصادم بھی ہوئے۔

1933ء میں نازی ازم کے ابھار کے نتیجے میں ایلیاہ کی پانچویں لہر اُمڈی۔

1922ء میں علاقے کی آبادی میں یہودیوں کا تناسب 11 فی صد تھا، جو 1940ء تک بڑھ کر 30 فی صد ہو گیا۔ اس وقت تک علاقے کی 28 فی صد اراضی صیہونی تنظیموں اور یہودیوں کی انفرادی ملکیت میں آ چکی تھی۔ ہولوکاسٹ کے نتیجے میں یورپ کے مختلف حصوں میں آباد یہودی فلسطین میں آ بسے۔ دوسری عالمی جنگ کے اختتام تک فلسطین میں آباد ہونے والے یہودیوں کی تعداد چھ لاکھ ہو چکی تھی۔

1939ء میں برطانیہ نے ایک وائٹ پیپر شائع کیا اور فلسطین میں یہودیوں کی آمد کو محدود کر دیا۔ اس سے قبل 1936ء تا 1939ء کے دوران عربوں نے اس مسئلے پر شدید ردِعمل ظاہر کیا تھا۔ یہودیوں نے 1939ء کے وائٹ پیپر کو 1917ء کے اعلانِ بالفور کی خلاف ورزی قرار دیا۔

زیرِ زمین یہودی گروپ

جب مقامی عربوں اور باہر سے آ کر آباد ہونے والے یہودیوں میں کشیدگی بڑھی اور انگریزوں کی حمایت میں قدرے کمی آئی تو یہودیوں نے ''ہگاناہ'' (Haganah) کے نام سے دفاعی گروپ بنا لیا۔ بعد ازاں ہگاناہ کے چند اراکین نے عسکری گروپ اِرگن (Irgun) بنا لیا۔ اس کے بعد اوراہام سٹرن نے ارگن سے الگ ہو کر ایک زیادہ انتہا پسند گروپ لیہی (Lehi) بنا لیا، جسے عرفِ عام میں ''سٹرن گینگ'' (Stern Gang) کہا جاتا تھا۔

1948ء کی عرب اسرائیلی جنگ چھڑنے میں ان گروپوں کا بڑا اہم کردار تھا۔ اس کے علاوہ یورپ سے یہودیوں کی نقل مکانی، اسرائیلی دفاعی افواج کی تشکیل، فلسطین سے برطانیہ کے انخلاء اور اسرائیل کی بہت سی موجودہ سیاسی پارٹیوں کے قیام میں بھی ان زیرِ زمین یہودی گروپوں نے اساسی کردار ادا کیا ہے۔

دوسرا باب

ریاستِ اسرائیل

○ ریاستِ اسرائیل کے قیام کا اعلامیہ ○ ریاستِ اسرائیل کا محل وقوع ○ اسرائیل کا رقبہ ○ اسرائیل کی سرکاری زبانیں ○ اسرائیلی کی آبادی ○ اسرائیل کی جی این پی ○ اسرائیل کی فی کس آمدنی ○ اسرائیل کا ایچ ڈی آئی درجہ ○ اسرائیلی کرنسی ○ اسرائیل کے اضلاع ○ میٹروپولیٹن علاقے ○ ریاستِ اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات ○ اسرائیل ایک نظر میں (یونیسیف کے تحقیقی اعداد وشمار) ○ اسرائیل اور سی آئی اے کی ورلڈ فیکٹ بک

بڑھتے ہوئے تشدد اور یہودیوں اور عربوں میں مفاہمت کروانے میں ناکام ہونے کے بعد برطانوی حکومت نے 1947ء میں فلسطینی انتداب سے دست برداری کا فیصلہ کیا۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ''1947ء کا یواین پارٹیشن پلان'' (1947 UN Partition Plan) منظور کیا، جس کے تحت علاقے کو دو ریاستوں میں تقسیم کرنے کی منظوری دی گئی۔ یہودیوں کو 55% جبکہ عربوں کو 45% علاقہ دینا منظور کیا گیا۔ اس منصوبے کے مطابق یروشلم کو بین الاقوامی علاقہ قرار دیا گیا تھا، جس کا انتظام اقوامِ متحدہ کے پاس ہوتا۔ 29 نومبر 1947ء کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی طرف سے تقسیم کے منصوبے کی منظوری کے فوری بعد ڈیوڈ بن گوریان نے اسے تسلیم کرلیا جبکہ عرب لیگ نے اسے مسترد کردیا۔

ریاستِ اسرائیل کے قیام کا اعلامیہ

14 مئی 1948ء کو جاری کیا جانے والا ریاستِ اسرائیل کے قیام کا اعلامیہ اس امر کا باقاعدہ اعلان تھا کہ ''فلسطین کے برطانوی انتداب'' (British Mandate of Palestine) میں ایک نئی یہودی ریاست قائم کردی گئی ہے۔ یہ اعلامیہ برطانوی انتداب کے خاتمے سے ایک دن پہلے تل ابیب میں واقع ''تل ابیب میوزیم آف آرٹ'' میں منعقدہ ''وادلیوی'' (یہودی قومی کونسل) کے اجلاس میں پڑھ کر سنایا اور منظور کیا گیا۔ منظوری سے پہلے اس کی تیاری پر کئی ماہ غور وغوض کیا گیا تھا۔

12 مئی 1948ء کو یہودی قومی انتظامیہ کا اجلاس ہوا جس میں غور کیا گیا کہ امن معاہدے کی امریکی تجویز قبول کی جائے یا نئی ریاست کے قیام کا اعلان کیا جائے۔ کونسل کے دس میں سے چھ اراکین نے نئی ریاست کے قیام کے حق میں ووٹ دیا۔

اس اعلان کے چند منٹوں بعد نئی ریاست اور اس کی حکومت کو ریاست ہائے متحدہ

امریکہ نے تسلیم کرلیا۔ تین دن بعد سوویت یونین کے صدر سٹالن نے بھی اسرائیل کو تسلیم کر لیا۔ جبکہ عرب ریاستوں اور فلسطینیوں نے اس کی مخالفت کی۔

ریاستِ اسرائیل کا محلِ وقوع

ریاستِ اسرائیل (State of Israel) کے شمال میں لبنان، مشرق میں شام اور اردن جبکہ جنوب مغرب میں مصر واقع ہے۔ اس کے مغرب میں بحیرۂ روم اور جنوب میں خلیج عقبہ یا خلیج ایلاتِ واقع ہے۔

اسرائیل کی سرکاری زبانیں

اسرائیل کی سرکاری زبان (Official Language) عبرانی اور عربی ہے۔
اسرائیلیوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے 14 مئی 1948ء کو برطانیہ سے ''آزادی'' حاصل کی۔

اسرائیل کی آبادی

1995ء کی مردم شماری کے مطابق اسرائیل کی آبادی پچپن لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو تیئیس (5548523) افراد پر مشتمل تھی جبکہ 2006ء کے ایک تخمینے کے مطابق چھہتر لاکھ چھبیس ہزار افراد پر مشتمل ہے۔

اسرائیل کی جی این پی

اسرائیل کی خام قومی پیداوار (GDP) 2005ء کے تخمینے کے مطابق 163.45 ارب ڈالر تھی۔ اس اعتبار سے دنیا میں اسرائیل 53 ویں مقام پر ہے۔

اسرائیل کی فی کس آمدنی

اسرائیل کی فی کس آمدنی تیئیس ہزار چار سو سولہ ڈالر (23416) ڈالر ہے۔ اس اعتبار سے اسرائیل دنیا میں اٹھائیسویں مقام پر ہے۔

اسرائیل کا ایچ ڈی آئی درجہ

2003ء کے انسانی ترقی کے اشاریے (HDI) کی رُو سے اسرائیل نے 0.915 پوائنٹ لیے، اس طرح اسے ''بلند'' شرح کا حامل قرار دیا گیا۔ ایچ ڈی آئی کی رُو سے اسرائیل دنیا میں تیئیسویں نمبر پر ہے۔

اسرائیلی کرنسی

اسرائیلی کرنسی کو ''نیا اسرائیلی شیقل'' (New Israeli Shequel) کہا جاتا ہے۔ اسے انگریزی مخفف I L S سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

رقبہ

1967ء میں قبضے میں آنے والے علاقوں کو نکال کر اسرائیل کا رقبہ 20770 مربع کلومیٹر ہے۔ جبکہ مشرقی یروشلم اور جولان کی پہاڑیوں سمیت اسرائیلی قانون کی عملداری میں آنے والے علاقے کا رقبہ 22145 مربع کلومیٹر ہے۔

اسرائیل کے اضلاع

اسرائیل کے چھ بڑے اضلاع ہیں، جنہیں عبرانی میں میہوزوت (Mehozot) کہا جاتا ہے (اس کا واحد ہے میہوز Mehoz) اور پندرہ ذیلی اضلاع ہیں، جنہیں نافوت (Nafot) کہا جاتا ہے (اس کا واحد ہے نافا Nafa)۔ ہر ذیلی ضلع مزید ''فطری علاقوں'' (Natural Regions) میں منقسم ہے۔ فطری علاقے تعداد میں کُل پچاس ہیں۔

اسرائیل جولان کو بھی اپنا ذیلی ضلع قرار دیتا ہے، جس کے چار فطری علاقے ہیں۔ تاہم اقوامِ متحدہ اسے تسلیم نہیں کرتی ہے۔ اسرائیل جوڈیا اور سمار کو بھی اپنے اضلاع قرار دیتا ہے۔ انہیں اقوامِ متحدہ اسرائیلی علاقے تسلیم نہیں کرتی۔

ذیل میں اسرائیل کے اضلاع کی تفصیلات درج ہیں:

یروشلم

سرکاری نام	:	ضلع یروشلم
عبرانی	:	میہوز یروشالایم
ضلعی صدر مقام	:	یروشلم

شمالی ضلع

سرکاری نام	:	شمالی ضلع
عبرانی	:	میہوز ہاتزافون
ضلعی صدر مقام	:	نزارتھ

ذیلی اضلاع

1۔ زیفات　　2۔ کینرت

3۔ یزرے ایل　　4۔ اکو

5۔ جولان (اسے اقوامِ متحدہ اسرائیلی علاقہ تسلیم نہیں کرتی)۔

حیفہ

سرکاری نام	:	ضلع حیفہ
عبرانی	:	میہوز حیفہ
ضلعی صدر مقام	:	حیفہ

ذیلی اضلاع

1۔ حیفہ　　2۔ ہادیرا

وسطی ضلع

سرکاری نام	:	ضلع وسطی

عبرانی	:	میہوز ہامرکز
ضلعی صدر مقام	:	رملا

ذیلی اضلاع

1۔ شیرون　　2۔ پیتاہ تکوا

3۔ راملا　　4۔ ریہوووت

تل ابیب

سرکاری نام	:	ضلع اتل ابیب
عبرانی	:	میہوز تل ابیب
ضلعی صدر مقام	:	تل ابیب

جنوبی ضلع

سرکاری نام	:	ضلع جنوبی
عبرانی	:	میہوز ہادا روم
ضلعی صدر مقام	:	بیر شیبا

ذیلی اضلاع

(1) اشقیلون　　(2) بیر شیوا

جوڈیا اور سماریا

اقوام متحدہ اور دنیا کے بیشتر ملک انہیں اسرائیلی علاقہ تسلیم نہیں کرتے۔

سرکاری نام	:	ضلع جوڈیا وسماریا
عبرانی	:	میہوز یہوداو یشومرون
سب سے بڑا شہر	:	ماایل ایدومیم

میٹروپولیٹن علاقے

اسرائیلی سینٹرل بیورو آف سٹیٹسٹکس نے 2004ء میں تین شہروں کو میٹروپولیٹن قرار دیا:

1۔ تل ابیب (آبادی 2933300)

2۔ حیفہ (آبادی 980600)

3۔ یروشلم (آبادی 706368)

اسرائیلی تاریخ کے اہم واقعات

نومبر 1917ء

بالفور ڈیکلریشن (Balfour Declaration) برطانوی وزیر خارجہ آرتھر جیمز بالفور نے ''زائیونسٹ فیڈریشن'' (Zionist Federation) کے صدر لارڈ روتھ شیلڈ کو خط لکھ کر بتایا کہ اس کی حکومت فلسطین میں ''یہودیوں کے لیے ایک قومی وطن'' بنانا چاہتی ہے۔

18 جنوری 1919ء

پیرس امن کانفرنس 1919ء میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ ہوا۔

اپریل جون 1920ء

یروشلم میں فسادات ہوئے۔

1 تا 7 مئی 1921ء

جافہ میں فسادات ہوئے۔

3 جون 1922ء

چرچل وائٹ پیپر کے ذریعے فلسطین کے حوالے سے انگریزوں کا موقف واضح کیا گیا ہے۔

24 جولائی 1992ء

لیگ آف نیشنز نے فلسطین کا انتظام سنبھالنے کے لیے برطانیہ کو انتداب دیا۔

1928ء تا 1935ء

شیخ عزالدین القسام کی زیرِ قیادت ''سیاہ دست گروپ'' (Black Hand Group) کی سرگرمیاں۔

23 اگست 1929ء

ہیبرون میں فسادات ہوئے۔ ہوپ سمپسن رائل کمیشن (Hope Simpson Royal Commision) کی رپورٹ اور پاس فیلڈ وائٹ پیپر (Passfield white Paper) شائع ہوئے، جن میں یہودیوں کی فلسطین آمد کو محدود کرنے کا کہا گیا تھا۔

7 مئی 1936ء تا مارچ 1939ء

حاجی امین الحسینی کی زیرِ قیادت عمومی ہڑتال کا اعلان کیا گیا۔ اس کے فوری بعد تشدد شروع ہو گیا۔ احتجاج اور تشدد کا یہ دور تین سال پر محیط ہے۔ اس دوران اسرائیلی زیرِ زمین گروپ ہگاناہ (Haganah) نے زیادہ جارحانہ پالیسی نہیں اپنائی، تاہم اِرگن (Irgun) نامی زیرِ زمین اسرائیلی گروپ نے عربوں سے مسلم تصادم کیے۔ اس عرصے میں 5000 عرب اور 400 یہودی مارے گئے۔

جولائی 1937ء

پیل کمیشن نے تقسیم کا منصوبہ پیش کیا جسے عربوں نے رڈ کر دیا جبکہ یہودیوں کا موقف اس حوالے سے منقسم تھا۔ اس کمیشن نے فلسطین میں یہودیوں کی آمد کو 12000

افراد فی سال تک محدود کرنے کی تجویز دی تھی۔

اپریل۔اگست 1938ء

وڈ ہیڈ کمیشن نے تقسیم کے دو منصوبے پیش کیے جنہیں پلان بی اور پلان سی کہا جاتا ہے اور نومبر میں رپورٹ دی کہ تقسیم ممکن العمل نہیں ہے۔

17 مئی 1939ء

1939ء کے وائٹ پیپر میں ایک متحدہ فلسطینی ریاست کے قیام کی تجویز دی گئی نیز یہودیوں کی فلسطین میں آمد اور زمینیں خریدنے کے عمل کو محدود کرنے کا کہا گیا۔

29 نومبر 1947ء

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے تقسیم کا منصوبہ منظور کیا جس میں فلسطین کے برطانوی انتداب کو دو ریاستوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اسرائیل کی تخلیق

14 مئی 1948ء کو اسرائیل نے برطانوی حکومت سے آزادی کا اعلان کیا، جبکہ نصف شب کو فلسطین کے برطانوی انتداب کی مدت ختم ہونے والی تھی۔

15 مئی 1948ء

مصر، شام، لبنان، عراق اور مقامی عربوں سے اسرائیل کی جنگ چھڑ گئی، جسے "1948ء کی عرب اسرائیلی جنگ" کہا جاتا ہے۔ یہ جنگ 13 ماہ جاری رہی۔

جون 1948ء

(التالینا افیئر Altalena Affair) اسرائیلی ڈیفنس فورسز اور پیراملٹری یہودی گروپ اِرگن (Irgun) کے مابین پُرتشدد تصادم شروع ہو گیا۔ اسے "التالینا افیئر" کہا جاتا ہے۔ اس تصادم کے نتیجے میں تمام انتہا پسند یہودی عسکری گروپوں کو توڑ دیا گیا۔

اپریل 1949ء

اسرائیل اور ہمسایہ ملکوں میں جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔

29 اکتوبر 1956ء

اسرائیل نے فرانس اور برطانیہ کے ساتھ خفیہ معاہدہ کر کے مصر کے علاقے جزیرہ نمائے سینائی (Sinai Peninsula) پر حملہ کیا۔

مارچ 1975ء

اسرائیل نے جزیرہ نمائے سینائی سے اپنی فوجیں نکال لیں۔ اس طرح ''سویز بحران'' کا خاتمہ ہوا۔

3 فروری 1964ء۔ تنظیمِ آزادیٔ فلسطین کا قیام

قاہرہ میں تنظیم آزادیٔ فلسطین (Palestine-Liberation Organization) کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی قیادت احمد شکری نے سنبھالی۔

جون 1967ء۔ چھ روزہ جنگ

اسرائیل نے یہ کہتے ہوئے کہ اسے خدشہ ہے مصر اور شام اس پر حملہ کرنے والے ہیں، جنگ کا آغاز کر دیا۔ اسرائیل نے اس جنگ میں مصر، شام اور اُردن کی افواج کو شکست دے کر مصر کے علاقوں جزیرہ نمائے سینائی اور غزہ کی پٹی، اُردن کے علاقوں مشرقی یروشلم اور غربی کنارے، اور شام کے علاقے جولان[1] کی پہاڑیوں پر، جنہیں انگریزی میں گولان ہائٹس (Golan Heights) کہا جاتا ہے، قبضہ کر لیا۔

5 ستمبر 1972ء

بلیک ستمبر نامی فلسطینی گروپ نے میونخ اولمپکس میں شریک اسرائیلی کھلاڑیوں کو

---

[1] عربی ابجد میں حرف ''گ'' نہیں ہے، اس لیے ''گولان'' کا درست تلفظ ''جولان'' ہے۔ البتہ انگریزی کے تتبع میں اردو دان حضرات بھی اسے ''گولان'' لکھتے اور بولتے رہے ہیں۔ (مؤلف)

ہلاک کر دیا۔

9 اپریل 1973ء

اسرائیلی کمانڈوز نے لبنان کے دارالحکومت بیروت میں پی ایل او کے ٹھکانوں پر حملے کیے۔ اسے ''آپریشن سپرنگ آف یوتھ'' (Operation Spring of Youth) کا نام دیا گیا تھا۔

مئی 1977ء

لیبر پارٹی کے تقریباً 30 سالہ اقتدار کا خاتمہ ہوا اور لیکوڈ پارٹی کے مینا کیم بیگن وزیرِ اعظم بنے۔

مارچ 1978ء

''کوسٹل روڈ ہلاکتوں'' (Coastal Road Massacre) کے بعد اسرائیل نے ''آپریشن لیتانی'' (Operation Litani) کے نام سے لبنان پر حملہ کر دیا۔

17 ستمبر 1978ء

کیمپ ڈیوڈ معاہدہ **(Camp David Accord)**: مینا کیم بیگن اور انور سادات نے کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر دستخط کیے۔ جس کے تحت اسرائیل جزیرہ نمائے سینائی سے قبضہ ختم کرنے اور غزہ کی پٹی اور غربی کنارے کے حوالے سے مستقبل میں مذاکرات پر راضی ہوا۔

6 جون 1982ء

اسرائیل نے جنوبی لبنان پر حملہ کر دیا۔ اسرائیل کا کہنا تھا کہ اس نے یہ حملہ پی ایل او فورسز کو نکالنے کے لیے کیا ہے۔

اگست 1983ء

اسرائیل نے بیشتر فوجیوں کو لبنان سے واپس بلا لیا اور جنوبی لبنان میں ایک خود

ساختہ ''سکیورٹی زون'' بنالیا۔

اکتوبر 1987ء

پہلی انتفاضہ کا آغاز ہوا۔

15 نومبر 1988ء

آزاد فلسطینی ریاست: فلسطین قومی کونسل نے الجزائر میں منعقدہ اجلاس میں 96 کے مقابلے میں 253 ووٹوں سے آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کا اعلان کیا۔

جون 1992ء

لیبر پارٹی کے یتزاک رابن (Yitzhak Rabin) وزیراعظم منتخب ہوئے۔

20 اگست 1993ء۔ اوسلو معاہدہ

یاسر عرفات اور یتزاک رابن نے اوسلو میں ''عبوری حکومتِ خوداختیاری کے اصولوں کے اعلامیے'' (Declaration of Principles on Interim Self-Government) پر دستخط کیے۔

18 مئی 1994ء

اوسلو معاہدے کے تحت اسرائیل نے جیریکو اور غزہ کی پٹی سے اپنی فوج واپس بلالی۔

26 اکتوبر 1994ء

اسرائیل اور اردن کے مابین امن معاہدہ ہوا۔

10 دسمبر 1994ء

یتزاک رابن، شمعون پیریز اور یاسر عرفات کو امن کا نوبل انعام دیا گیا۔

28 ستمبر 1995ء

غربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے حوالے سے عبوری معاہدے پر واشنگٹن میں

دستخط ہوئے۔

4 نومبر 1995ء

اسرائیلی وزیرِاعظم یتزاک رابن کا انتہا پسند یہودی کے ہاتھوں قتل: اسرائیلی وزیرِاعظم تیزاک رابن کو تل ابیب میں ایک یہودی انتہا پسند یگال امیر (Yigal Amir) نے قتل کر دیا۔ شمعون پیریز کو عبوری وزیرِاعظم بنایا گیا۔

مئی 1996ء

لیکوڈ پارٹی کے بنجامن نیتن یاہو (Benjamin Netanyahu) وزیرِاعظم منتخب ہوئے۔

23 اکتوبر 1998ء

بنجامن نیتن یاہو اور یاسر عرفات نے بل کلنٹن کی میزبانی میں میری لینڈ میں ہونے والے اجلاس میں ''وائی ریور میمورنڈم'' (Wye River Memorandum) پر دستخط کیے۔

17 مئی 1999ء

لیبر پارٹی کے ایہود بارک (Ehud Barak) وزیرِاعظم منتخب ہوئے۔

24 مئی 2000ء

اسرائیل نے اقوامِ متحدہ کی قرارداد 425 کے تحت جنوبی لبنان سے فوج واپس بلالی۔

فلسطینی انتداب کی مدت ختم ہونے سے ایک دن پہلے یعنی 14 مئی 1948ء کو ریاستِ اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اس کے بعد مصر، شام، اُردن، لبنان اور عراق سے اسرائیل کی جنگ شروع ہو گئی۔ اسے 1948ء کی عرب اسرائیلی جنگ کہا جاتا ہے۔ جون کے شروع میں اقوامِ متحدہ نے ایک ماہ کے لیے جنگ بندی کروادی، جس کے دوران

اسرائیل نے ''اسرائیلی ڈیفنس فورسز'' کو باقاعدہ سرکاری طور پر تشکیل دیا۔ 1947ء میں جنگ بندی ہوئی اور ''گرین لائن'' کے نام سے معروف عارضی سرحدیں کھینچ دی گئیں۔ اسرائیل کو دریائے اُردن کے مغرب میں انتدابی علاقے کا 26فی صد مزید حصہ دے دیا گیا۔ اردن نے جوڈیا اور سماریا پر کنٹرول قائم کرلیا، جو کہ غربی کنارے کے نام سے مشہور ہوا۔ مصر نے ایک ساحلی پٹی پر کنٹرول حاصل کرلیا، جسے غزہ کی پٹی کہا جاتا ہے۔

جنگ کی وجہ سے نئی قائم شدہ ریاستِ اسرائیل کی عرب آبادی نقل مکانی کر گئی۔ اقوامِ متحدہ کے تخمینے کے مطابق سات لاکھ گیارہ ہزار فلسطینیوں نے نقل مکانی کی۔

اسرائیل کے قیام کے ایک سال کے اندر اندر عرب علاقوں اور یورپ سے آنے والے یہودیوں کی وجہ سے اسرائیل کی آبادی دُگنی ہوگئی۔

1954ء اور 1955ء میں اسرائیلی وزیراعظم موشے شیریٹ کے دورِ حکومت میں ''لیوان افیئر'' (Levon Affair) کی وجہ سے اسرائیل کو سیاسی اعتبار سے ذلت اٹھانی پڑی۔ ''لیوان افیئر'' کے تحت مصر میں بم دھماکے کروانے کی کوشش کی گئی تھی جو ناکام بنا دی گئی۔ اس کے ردِعمل میں مصر نے نہر سویز کو قومیا لیا، جس پر برطانیہ اور فرانس سخت مشتعل ہوئے۔ اس واقعے اور فدائین کے مسلسل حملوں کے بعد اسرائیل نے دونوں طاقتوں کے ساتھ خفیہ فوجی اتحاد قائم کر کے مصر کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ سویز بحران ختم ہونے پر برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کو بین الاقوامی برادری میں کافی ذِلت برداشت کرنی پڑی اور اسرائیل کو جزیرہ نمائے سینائی سے اپنی افواج واپس بلانا پڑیں۔

مئی 1967ء میں اسرائیل کی مصر، اردن اور شام کے ساتھ جنگ شروع ہوگئی جو چھ دن جاری رہی۔ اسے چھ روزہ جنگ (Six Day War) کہا جاتا ہے۔

1967ء ہی میں ایک اسرائیلی ہوائی جہاز نے یو ایس ایس لبرٹی پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں 134 امریکی فوجی ہلاک ہوگئے۔ امریکی اور اسرائیلی تفتیش کنندگان نے اس واقعے کی چھان بین کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ ایک اَلمناک حادثہ تھا جو ''لبرٹی'' کو شناخت کرنے میں الجھن کی وجہ سے رونما ہوا۔

1969ء میں گولڈا مائر اسرائیل کی وزیرِ اعظم منتخب ہوئیں۔ وہ اسرائیل کی پہلی اوراس وقت تک کی واحد خاتون وزیرِ اعظم ہیں۔

1968ء سے 1972ء کے دوران شام اور مصر کے ساتھ اسرائیل کی سرحدی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ اس کے علاوہ 1970ء کی دہائی کے شروع میں فلسطینی گروپوں نے اسرائیل اور دوسرے ملکوں میں اسرائیلی اہداف پر حملے شروع کر دیے۔ ان کا نقطۂ عروج وہ تھا جب 1972ء میں میونخ اولمپکس گیمز کے دوران فلسطینی گوریلوں نے اسرائیلی کھلاڑیوں کو ہلاک کر دیا۔ اسرائیل نے اس کا انتقام لینے کے لیے ''آپریشن قہرِ خداوندی'' (Operation Wrath of God) کے تحت موساد کے ایجنٹوں کے ذریعے میونخ میں اسرائیلی کھلاڑیوں کو ہلاک کرنے والے بیشتر فلسطینی گوریلوں کو قتل کروادیا۔

6 اکتوبر 1973ء کو یہودیوں کے روزے کے دن ''یوم کپور'' کو مصر اور شام نے اسرائیل پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں اسرائیل کو شکست نہیں دی جاسکی۔ 1974ء میں گولڈا مائر کے استعفیٰ دینے کے بعد یتزاک رابن وزیرِ اعظم بنے۔ وہ اسرائیل کے پانچواں وزیرِ اعظم تھے۔ 1977ء میں ہونے والے کنیسیٹ کے انتخابات میں 1948ء سے برسرِ اقتدار رہنے والی پارٹی معارک (Ma'arach) نے حکومت چھوڑ کر سیاسی طوفان برپا کر دیا اور مینا کیم بیگن کی قیادت میں نئی قائم ہونے والی لیکوڈ پارٹی نئی حکمران پارٹی بن گئی۔ اسی سال نومبر میں مصری صدر انور سادات نے اسرائیل کا تاریخی دورہ کیا۔ انہوں نے کنیسیٹ سے خطاب کیا۔ یہ اسرائیل کے عرب ہمسایوں کی طرف سے اسے قبول کرنے کا پہلا موقعہ تھا۔ اس دورے کے بعد دونوں ملکوں میں مذاکرات کے کئی دور ہوئے۔ جن کے نتیجے میں کیمپ ڈیوڈ معاہدہ عمل میں آیا۔ مارچ 1979ء میں بیگن اور انور سادات نے واشنگٹن میں ''اسرائیل مصر امن معاہدہ'' پر دستخط کیے۔ معاہدے کے مطابق اسرائیل نے جزیرۂ نما سینائی سے قبضہ ختم کر دیا۔ اسرائیل نے اس معاہدے میں فلسطینیوں کو خود مختاری دینے کا بھی وعدہ کیا۔

7 جولائی 1981ء کو اسرائیلی ایئر فورس نے عراق کے نیوکلیئر ری ایکٹر پر بمباری

کی۔اس حملے کا مقصد عراق کو ایٹم بم بنانے سے روکنا تھا۔

1982ء میں اسرائیل نے لبنان پر حملہ کر دیا۔سرکاری طور پر اس حملے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اسرائیل کی شمالی آبادیوں کو دہشت گردانہ حملوں سے بچانا مقصود ہے۔اسرائیلی ڈیفنس فورسز نے لبنان کے دارالحکومت بیروت پر قبضہ کر لیا اور تنظیمِ آزادیٔ فلسطین (Palestine Liberation Organization-PLO) کی افواج کو ملک چھوڑنا پڑا۔پی ایل او نے تیونس میں دفاتر قائم کر لیے۔اس جنگ کے دوران حالات کا دباؤ برداشت نہ کرتے ہوئے وزیرِاعظم بیگن نے استعفیٰ دے دیا اور ان کی جگہ یتزاک شامیر وزیرِاعظم منتخب ہوئے۔اگرچہ اسرائیل 1986ء میں لبنان سے نکل گیا تاہم مئی 2000ء تک ایک بفرزون برقرار رکھا گیا۔

1980ء کی دہائی کے دوران اسرائیلی سیاست میں اہم تبدیلیاں عمل میں آئیں اور یتزاک شامیر کی زیرِ قیادت دائیں بازو پر شمعون پیریز کی زیرِ قیادت بایاں بازو حاوی ہوتا چلا گیا۔

1987ء میں پہلی انتفاضہ کا آغاز ہوا اور مقبوضہ علاقوں میں تشدد پھوٹ پڑا۔پہلی انتفاضہ کے آغاز کے بعد 1988ء میں شامیر دوبارہ وزیرِاعظم منتخب ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

1990ء کی دہائی کے شروع میں سوویت یونین سے یہودیوں کی بہت بڑی تعداد اسرائیل آ کر آباد ہو گئی۔واپسی کے قانون (Law of Return) کے مطابق انہیں اسرائیل پہنچتے ہی شہریت حاصل ہو گئی۔صرف 91-1990ء میں تقریباً تین لاکھ اسی ہزار یہودی سوویت یونین سے اسرائیل آئے۔نئے آبادکار یہودیوں نے ابتدا میں دائیں بازو کی حمایت کی لیکن بعد میں وہ "لیبر" پارٹی کے حامی ہو گئے۔1992ء کے انتخابات میں انہوں نے لیبر پارٹی کو ووٹ دیے اور یوں 1992ء کے کنیسیٹ کے انتخابات میں لیبر پارٹی نے زبردست اکثریت حاصل کی۔انتخابات کے بعد یتزاک رابن نے بائیں بازو کی پارٹیوں کی متحدہ حکومت قائم کی۔لیبر پارٹی نے انتخابات کے دوران اسرائیلی شہریوں سے

وعدہ کیا تھا کہ وہ انتخابات کے بعد چھ سے نو ماہ کے اندر اندر ان کے تحفظ وسلامتی کو یقینی بنائے گی اور عربوں کے ساتھ امن قائم کیا جائے گا۔ 1993ء کے اختتام پر اسرائیل نے پی ایل او کے ساتھ ''اوسلو معاہدہ'' کر لیا۔

1994ء میں لبنان اسرائیل کے ساتھ اَمن قائم کرنے والا دوسرا ہمسایہ ملک بن گیا۔ معاہدے کی مخالفت میں حماس نے پُرتشدد کارروائیاں شروع کر دیں۔ دوسری طرف اسرائیل میں بھی یہودی شدت پسند ہنگامے کرنے لگے۔ 4 نومبر 1995ء کو ایک انتہا پسند یہودی یگال امیر نے وزیر اعظم یتزاک رابن کو قتل کر دیا۔ یتزاک رابن کے قتل سے پیدا ہونے والی عوامی اشتعال کی لہر کو دیکھتے ہوئے توقع تھی کہ 1996ء کے انتخابات میں یتزاک رابن کے جانشین اور اوسلو معاہدے کے آرکیٹیکٹ شمعون پیریز کامیابی حاصل کریں گے لیکن وہ لیکوڈ پارٹی کے بنجامن نیتن یاہو سے بہت تھوڑے فرق سے ہار گئے۔

نیتن یاہو کو اوسلو معاہدے کا سخت مخالف سمجھا جاتا تھا تاہم انہوں نے ہیبرون کو خالی کر دیا اور فلسطینی قومی مقتدرہ (Palestinian National Authority) کو زیادہ اختیارات دے دیے۔ نیتن یاہو کے دورِ حکومت میں اسرائیل پر فلسطینیوں کے گوریلا حملے بند ہو گئے تاہم ان کی حکومت 1999ء میں ختم ہو گئی۔ 1999ء کے انتخابات میں لیبر پارٹی کے رہنما ایہود بارک نے نیتن یاہو کو واضح فرق سے شکست دی اور وزیرِ اعظم بن گئے۔

مارچ 2001ء میں ایریل شیرون وزیرِ اعظم بنے۔

اسرائیل گرین لائن کے ساتھ ساتھ 68 کلو میٹر طویل باڑھ تعمیر کر رہا ہے جس پر بین الاقوامی برادری اور اسرائیلی بائیں بازو نے شدید احتجاج کیا ہے۔

ایریل شیرون کے دماغ کی رگ پھٹ جانے کے بعد ایہود اولمرت کو عبوری وزیرِ اعظم بنایا گیا۔

14 اپریل 2006ء کو ''قادیمہ'' پارٹی نے 2006ء کے انتخابات میں بیشتر نشستیں جیت لیں۔ اِس طرح ایہود اولمرت باقاعدہ منتخب وزیرِ اعظم بن گئے۔

اسرائیل ایک نظر میں

درج ذیل اعداد و شمار یونیسیف کی ویب سائٹ سے لیے گئے ہیں:

5 سال سے کم عمر کے بچوں کے مرنے کے حوالے سے دنیا میں اسرائیل کا نمبر	162واں
ہر سال کتنے بچے پیدا ہوتے ہیں۔	134000
5 سال سے کم عمر کے کتنے بچے ہر سال مرجاتے ہیں۔	1000
اسرائیلی کی فی کس آمدنی	17380ڈالر (2004ء)
پیدائش کے وقت متوقع عمر	80سال
بالغوں میں شرحِ تعلیم	97%
پرائمری سکولوں میں داخلے کی شرح	99فی صد
کتنے فی صد شہری آبادی کو پینے کا صاف پانی میسر ہے	100فی صد
کتنے فی صد دیہی آبادی کو پینے کا صاف پانی میسر ہے۔	100فی صد
کتنے فی صد شہری آبادی کو گندے پانی کے نکاس کی سہولت میسر ہے۔	100فی صد
ایک سال کے بچوں کی ٹی بی کے خلاف امیونائزیشن کی شرح	100فی صد
ایک سال کے بچوں کی پولیو کے خلاف امیونائزیشن کی شرح	92فی صد
ایک سال کے بچوں کی چیچک کے خلاف امیونائزیشن کی شرح	96فی صد
ایک سال کے بچوں کی ہیپاٹائٹس کے خلاف امیونائزیشن کی شرح	98فی صد
15-49 سال کی عمر کے بالغوں میں ایڈز پھیلنے کی شرح	0.1فی صد

0 سے 49 سال تک کی عمر کے ایڈز کے شکار افراد کی کل تعداد	4900
بالغ مردوں میں تعلیم کی شرح	98فی صد
بالغ خواتین میں تعلیم کی شرح	96فی صد
ہر سو افراد کے لیے کتنے ٹیلی فون ہیں	142
انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد	ہر سو میں سے 30
پرائمری سکول کے پانچویں درجے تک پہنچنے والے بچوں کی شرح	85فی صد
سیکنڈری سکول تک پہنچے والے لڑکوں کی شرح	89فی صد
18 سال سے کم عمر کے نوجوانوں کی تعداد	2169000
1970-90ء آبادی میں اضافے کی شرح	2.2فی صد
1990-2004ء آبادی میں اضافے کی شرح	2.7فی صد
1970ء میں اموات کی شرح	7فی صد
1990ء میں اموات کی شرح	6فی صد
2004ء میں اموات کی شرح	6فی صد
1970ء میں پیدائش کی شرح	27فی صد
1990ء میں پیدائش کی شرح	22فی صد
2004ء میں پیدائش کی شرح	20فی صد
1970ء میں زندگی کی توقع (Life Expectency)	71فی صد
1990ء میں زندگی کی توقع	76فی صد
2004ء میں زندگی کی توقع	80فی صد
2004ء میں عورتوں کے حاملہ ہونے کی شرح	2.8فی صد

2004ء میں شہروں میں بسنے والی آبادی	92فی صد
شہری آبادی میں اضافے کی اوسط سالانہ شرح (1990ء-1970ء)	2.6فی صد
شہری آبادی میں اضافے کی اوسط سالانہ شرح (2004ء-1990ء)	1.9فی صد
جی ڈی پی میں اضافے کی شرح (2004ء-1990ء)	8فی صد
مرکزی حکومت کے اخراجات میں سے صحت کے لیے مختص رقم (2004ء-1993ء)	8فی صد
مرکزی حکومت کے اخراجات میں سے تعلیم کے لیے مختص رقم (2004ء-1993ء)	15فی صد
مرکزی حکومت کے اخراجات میں سے دفاع کے لیے مختص رقم	20فی صد
مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں زندگی کی توقع کی شرح	105فی صد
مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں تعلیم کی شرح	98فی صد
لڑکوں کے مقابلے میں پرائمری سکولوں میں داخل ہونے والی لڑکیوں کی شرح	100فی صد
لڑکوں کے مقابلے میں سیکنڈری سکولوں میں داخل ہونے والی لڑکیوں کی شرح	100فی صد
عورتوں میں مانعِ حمل ادویات کے استعمال کی شرح	68فی صد
پیدائش کے وقت عورتوں کو تربیت یافتہ پیدائش کنندہ کی دستیابی کی شرح	99فی صد
دورانِ پیدائش یا بعد میں ماؤں کے ہلاک ہونے کی شرح	1800ماؤں میں سے ایک

اسرائیل اور سی آئی اے کی ورلڈ فیکٹ بک

''ورلڈ فیکٹ بک'' امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے (Central Intelligence Agency) کا انٹرنیٹ پر جاری کردہ ایک انتہائی اہم معلوماتی ماخذ (Source) ہے۔ ورلڈ فیکٹ بک میں ہر ملک کے بارے میں معلومات کچھ اس انداز سے دی گئی ہیں:

1۔ سب سے پہلے ہر ملک کا نام اور اس کا نقشہ دیا گیا ہے۔

2۔ ہر ملک کا سرکاری نشان اور پرچم دیا گیا ہے۔

3۔ اس کے بعد تعارف کے عنوان سے ہر ملک کا مختصر تعارف دیا گیا ہے۔

4۔ تعارف کے بعد ''جغرافیہ'' کے عنوان سے ہر ملک کا جغرافیائی محلِ وقوع بتایا گیا ہے۔

5۔ ''لوگ'' کے عنوان سے ہر ملک کے شہریوں کے بارے میں معلومات دی گئی ہیں۔

6۔ ''حکومت'' کے عنوان سے ہر ملک کے نظامِ حکومت کے بارے میں معلومات دی گئی ہیں۔

7۔ ''معیشت'' کے عنوان سے ہر ملک کی معیشت کے بارے میں معلومات دی گئی ہیں۔

8۔ ''ذرائع مواصلات'' کے عنوان سے ہر ملک کے ذرائع مواصلات کے بارے میں معلومات دی گئی ہیں۔

9۔ ''فوج'' کے عنوان سے ہر ملک کے عسکری اعداد و شمار دیے گئے ہیں۔

10۔ ''بین الاقوامی معاملات'' کے عنوان سے ہر ملک کے بارے میں ایسی معلومات دی گئی ہیں جن کا تعلق بین الاقوامی امور و معاملات و مسائل سے ہے۔

''ورلڈ فیکٹ بک'' میں اسرائیل کے حوالے سے درجِ ذیل معلومات دی گئی ہیں:

تعارف

دوسری عالمی جنگ کے بعد انگریزوں نے فلسطین سے اپنا انتداب ختم کر دیا اور اقوامِ متحدہ نے اسے عرب اور یہودی ریاستوں میں تقسیم کر دیا۔ عربوں نے اس تقسیم کو مسترد کر دیا۔ اس کے بعد اسرائیل نے کئی جنگوں میں عربوں کو شکست دی جبکہ دونوں فریقوں میں گہری کشیدگی ختم نہیں ہوئی۔ 1967ء کی جنگ میں اسرائیل نے جن علاقوں پر قبضہ کیا تھا انہیں اسرائیل کے معلوماتی خاکے میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ 25 اپریل 1982ء کو اسرائیل نے 1979ء کے اسرائیل مصر امن معاہدے پر عمل درآمد کرتے ہوئے سینائی کو خالی کر دیا۔ 13 ستمبر 1993ء کو اسرائیل اور فلسطینی حکام نے ایک ''اصولوں کے اعلامیے'' پر دستخط کیے (جو ''اوسلو معاہدے'' کے نام سے مشہور ہے)۔ اس معاہدے کے تحت فلسطینیوں کو عبوری خود مختاری دی جانی تھی۔ 26 اکتوبر 1994ء کو ہونے والے اسرائیل اُردن امن معاہدے کے تحت اردن کے ساتھ علاقائی اور دوسرے جھگڑے ختم کر دیے گئے۔ 25 مئی 2000ء کو اسرائیل نے جنوبی لبنان کو یک طرفہ طور پر خالی کر دیا۔ اس نے اس پر 1982ء سے قبضہ جما رکھا تھا۔ اکتوبر 1991ء مین میڈرڈ کانفرنس میں طے پانے والے فریم ورک کے مطابق فلسطینی نمائندوں اور شام کے ساتھ اسرائیل کے دوطرفہ مذاکرات ہوئے جن کا مقصد تنازعوں کو مستقل طور پر حل کرنا تھا۔

اپریل 2003ء میں صدر بش، یورپی یونین، اقوامِ متحدہ اور روس نے ایک روڈ میپ بنایا کہ 2005ء تک جھگڑے کو سلجھا دیا جائے گا۔ جس کی بنیاد دونوں فریقوں کے دو طرفہ اقدامات ہوں گے جن کے تحت دو ریاستیں وجود پذیر ہوں گی .... اسرائیل اور ایک جمہوری فلسطین۔ تاہم ستمبر 2000ء اور فروری 2005ء میں فلسطینی اسرائیل تشدد کی وجہ سے ایک مستقل حیثیت والے معاہدے کی طرف پیشرفت متاثر ہوئی۔ فروری 2005ء میں شرم الشیخ میں ہونے والے معاہدے کے بعد تشدد میں خاصی کمی آئی۔ نومبر 2004ء میں یاسر عرفات کی وفات کے بعد جنوری 2005ء میں محمود عباس نئے فلسطینی رہنما منتخب

ہوئے، اسرائیل میں جنوری 2005ء میں لیکوڈ، لیبر اور یونائیٹڈ تورہ جوڈارزم کے اتحاد کے حکومت تشکیل دینے اور اگست۔ستمبر 2005ء میں غزہ کی پٹی سے اسرائیل کے کامیاب انخلا سے امن قائم ہونے کا ایک نیا موقعہ پیدا ہوا۔ تاہم اکتوبر سے دسمبر 2005ء کے دوران اسرائیلی کی داخلی سیاست میں رونما ہونے والے واقعات نے سیاسی صورتِ حال کو غیر مستحکم کردیا اور وقت سے پہلے انتخابات کرانا پڑے۔

جغرافیہ

محلِ وقوع: مشرقِ وسطیٰ، بحیرۂ روم کا ساحل، مصر اور لبنان کے درمیان۔

کُل رقبہ	:	20770 مربع کلومیٹر
خشکی	:	20330 مربع کلومیٹر
پانی	:	440 مربع کلومیٹر

زمینی سرحدوں کی لمبائی:

کُل	:	1017 کلومیٹر
مصر	:	266 کلومیٹر
غزہ کی پٹی	:	51 کلومیٹر
اردن	:	238 کلومیٹر
لبنان	:	79 کلومیٹر
شام	:	76 کلومیٹر
غربی کنارہ	:	307 کلومیٹر
ساحل کی لمبائی	:	273 کلومیٹر

آب وہوا: جنوبی اور شمالی صحرائی علاقوں میں آب وہوا گرم اور خشک ہے۔

سطحِ سمندر سے سب سے نچلا علاقہ: بحرِ مردار 408 میٹر

سطحِ سمندر سے سب سے بلند علاقہ : ہارمیرون 1208 میٹر

قدرتی وسائل

لکڑی، پوٹاش، خام تانبا، قدرتی گیس، فاسفیٹ، میگنیشیم برومائیڈ۔

قدرتی آفات

موسمِ بہار اور گرمیوں میں آندھیاں، خشک سالی، وقتاً فوقتاً زلزلے۔

ماحولیاتی مسائل

قابلِ کاشت اراضی کم ہے، پینے کے پانی کے ذخائر محدود ہیں، زمین بنجر ہو رہی ہے، کارخانوں اور گاڑیوں کے دھوئیں سے ہوا آلودہ ہو رہی ہے، صنعتی اور گھریلو فضلے، کیمیائی کھادوں اور کیڑے مار ادویات سے زیرِ زمین پانی گندا ہو رہا ہے۔

لوگ

آبادی :6352117(اس میں غربی کنارے میں آباد تقریباً 187000 اسرائیلی، جولان کی پہاڑیوں میں آبادی 20000 اسرائیلی اور مشرقی یروشلم میں آباد 177000 سے کچھ زیادہ اسرائیلی بھی شامل ہیں)۔ (2006ء کا تخمینہ)

آبادی باعتبارِ عمر

0-14 سال کی عمر کے افراد کا تناسب	26.3 فی صد
0-14 سال کی عمر کی لڑکے	855054
0-14 سال کی عمر کی لڑکیاں	815619
15-64 سال کی عمر کے افراد کا تناسب	63.9 فی صد
15-64 سال کی عمر کے مرد	2044135
15-64 سال کی عمر کے عورتیں	2016647

65 سال اور اس سے زیادہ عمرہ کے افراد کا تناسب	9.8 فی صد
65 سال اور اس سے زیادہ عمر کے مرد	266671
65 سال اور اس سے زیادہ عمر کی عورتیں	353991

(2006ء کے تخمینے کے مطابق)

کنوار پن کی عمر

مجموعی اوسط: 29.6 سال

لڑکے : 28.8 سال

لڑکیاں : 30.5 سال (2006ء کے تخمینے کے مطابق)

آبادی میں اضافے کی شرح: 1.18 فی صد (2006ء کے تخمینے کے مطابق)

پیدائش کی شرح: 1000 افراد پر 17.97 پیدائشیں (2006ء کے تخمینے کے مطابق)

وفات کی شرح: 1000 افراد میں 6.18 اموات (2006ء کے تخمینے کے مطابق)

صنفی شرح

پیدائش کے وقت : ایک لڑکی، 1.05 فی صد لڑکے۔

15 سال سے کم عمر : ایک لڑکی، 1.05 لڑکے

15 سے 64 سال : ایک عورت، 1.01 مرد

65 سال اور اس سے زیادہ: ایک عورت، 0.75 مرد

کُل آبادی : 1 عورت، 0.99 مرد (2006ء کے تخمینے کے مطابق)

بچوں میں اموات کی شرح

1000 زندہ بچوں کی پیدائش کے مقابلے میں 6.89 بچے فوت ہو جاتے ہیں۔

☆ ایک ہزار لڑکے زندہ پیدا ہوتے ہیں بلکہ ان میں سے 7.61 فوت ہو جاتے ہیں۔

☆ ایک ہزار لڑکیاں زندہ پیدا ہوتی ہیں جبکہ ان میں 6.14 فوت ہو جاتی ہیں۔

(2006ء کے تخمینے کے مطابق)

پیدائش کے وقت زندگی کی توقع

کُل آبادی : 79.64سال

مرد : 77.33سال

عورتیں : 81.7سال

(2006ء کے تخمینے کے مطابق)

فی عورت پیدائش کا تناسب

2.41 بچے فی عورت

بالغوں میں ایڈز پھیلنے کی شرح

0.1فی صد (2006ء کے تخمینے کے مطابق)

ایڈز کے شکار اسرائیلی

3000 (تخمینہ 1999ء)

ایڈز سے ہونے والی ہلاکتیں

100 (تخمینہ 2001ء)

نسلی گروپ

یہودی 80.1فی صد (یورپ/ امریکہ میں پیدا ہونے والے 32.1فی صد، اسرائیل میں پیدا ہونے والے 20.8فی صد، افریقہ میں پیدا ہونے والے 14.6فی صد، ایشیا میں پیدا ہونے والے 12.6فی صد)۔

غیر یہودی: 19.9فی صد (بیشتر عرب) (تخمینہ 1996ء)

مذاہب

یہودی : 76.5فی صد

مسلم : 15.9 فی صد

عرب عیسائی : 1.7 فی صد

دیگر عیسائی : 0.4 فی صد

دروز : 1.6 فی صد

کسی زُمرے میں شمار نہ ہونے والے: 3.9 فی صد (2003ء کے اعداد و شمار)

زبانیں

عبرانی (سرکاری)

عربی (عربوں کے لیے سرکاری زبان)

انگریزی (سب سے زیادہ بولی جانے والی غیر ملکی زبان)

خواندگی کی شرح

تعریف: 15 سال اور اس سے زیادہ عمر کے ایسے لوگ جو پڑھ اور لکھ سکتے ہیں۔

کُل آبادی: 95.4 فی صد

مرد : 95.4 فی صد

عورتیں : 93.6 فی صد (تخمینہ 2003ء)

حکومت

ملک کا نام

روایتی طویل صورت: ریاستِ اسرائیل (State of Israel)

روایتی مختصر صورت: اسرائیل

مقامی طویل صورت: مدینات یسرائیل

مقامی مختصر صورت: یسرائیل

نظامِ حکومت

پارلیمانی جمہوریت

دارالحکومت

یروشلم

نوٹ: اسرائیل نے 1950ء میں اعلان کیا کہ یروشلم اس کا دارالحکومت ہے، تاہم امریکہ نے دوسرے تقریباً تمام ملکوں کی طرح اپنا سفارت خانہ تل ابیب میں قائم کیا ہے۔

انتظامی تقسیم

چھ اضلاع: وسطی ضلع، حیفہ، یروشلم، شمالی ضلع، جنوبی ضلع، تل ابیب

آزادی

14 مئی 1948ء (برطانوی انتظام کے تحت لیگ آف نیشنز کے انتداب سے)

قومی تعطیل

یومِ آزادی 14 مئی (1948ء)

نوٹ: اسرائیل نے 14 مئی 1948ء کو آزادی کا اعلان کیا تھا، لیکن اسرائیل کا کیلنڈر شمسی ہے، اس لیے یومِ آزادی کبھی اپریل میں آتا ہے اور کبھی مئی میں۔

آئین

اسرائیل کا کوئی باقاعدہ آئین نہیں ہے۔ ریاستِ اسرائیل کے قیام کا اعلامیہ (1948ء) پارلیمنٹ (کنیسیٹ) کے بنیادی قوانین اور اسرائیلی شہریت کا قانون یہ خلاء پُر کرتے ہیں۔

قانونی نظام

برطانوی کامن لا، برطانوی انتداب کے ضابطوں اور شخصی معاملات میں یہودی، عیسائی اور مسلم قانونی نظاموں کا مجموعہ۔

دسمبر 1985ء میں اسرائیل نے اقوامِ متحدہ کے سیکرٹریٹ کو اطلاع دی کہ وہ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے لازمی دائرۂ کار کو تسلیم نہیں کرتا۔

ووٹ دینے کی عمر

18 سال، ہر صنف کے لوگ ووٹ دے سکتے ہیں۔

انتظامیہ

ریاست کا سربراہ: صدر

(31 جولائی 2000ء سے موشے کاتزاو)

حکومت کا سربراہ: وزیرِ اعظم

(مئی 2006ء سے ایہوداولمرت)

کابینہ: کابینہ کا چناؤ وزیرِ اعظم کرتا ہے جبکہ کنیسیٹ منظوری دیتی ہے۔

انتخابات: صدر کا کردار بڑی حد تک نمائشی ہے، اور اسے کنیسیٹ سات سال کے لیے منتخب کرتی ہے۔ گزشتہ انتخاب 31 جولائی 2000ء کو ہوا تھا (اگلا انتخاب 2007ء کے وسط میں ہونا ہے)۔

لیجسلیٹو الیکشن کے بعد صدر کنیسیٹ کے کسی رکن کو............روایتی طور پر سب سے بڑی پارٹی کے رہنما کو............حکومتی اتحاد (Governing Coalition) تشکیل دینے کی ذمہ داری سونپتا ہے۔

صدارتی انتخاب کے نتائج

صدر موشے کاتزاو نے 120 رکنی کنیسیٹ سے کل 60 ووٹ حاصل کیے۔ ان کے مقابل شمعون پیریز نے 57 ووٹ لیے۔

مقننہ

یک ایوانی کنیسیٹ (120 نشستیں، اس کے اراکین کا انتخاب عوام کے ووٹوں کے ذریعے 4 سال کے لیے ہوتا ہے)۔ گزشتہ انتخابات 29 مارچ 2004ء کو ہوئے تھے،

اگلے انتخابات 2010ء میں ہوں گے۔

عدلیہ

سپریم کورٹ (صدر جسٹسوں کا تقرر تاحیات کرتا ہے)۔

معیشت

جی ڈی پی : 114.3 ارب ڈالر

فی کس جی ڈی پی : 24600 ڈالر

شعبہ وار جی ڈی پی:

i) زراعت : 2.6 فی صد

ii) صنعت : 31.7 فی صد

iii) سروسز : 65.7 فی صد

لیبر فورس : 2420000

پیشے کے اعتبار سے لیبر فورس:

i) زراعت، جنگلات اور ماہی گیری: 2.6 فی صد

ii) مینوفیکچرنگ: 20.2 فی صد

iii) تعمیرات : 7.5 فی صد

iv) کامرس : 12.8 فی صد

v) ٹرانسپورٹ، سٹوریج، اور کمیونیکیشن : 6.2 فی صد

vi) فنانس اور بزنس: 13.1 فی صد

شخصی اور دیگر خدمات: 6.4 فی صد

پبلک سروسز : 31.2 فی صد

بے روزگاری کی شرح: 9 فی صد

غربت کی لکیر سے نیچے افراد: 21فی صد

افراطِ زر کی شرح : 1.3فی صد

سرمایہ کاری : جی ڈی پی کا17.5فی صد

قرض : جی ڈی پی کا99.7فی صد

زرعی پیداوار : تُرشاوا پھل، سبزیاں، کپاس، گوشت، پولٹری، دودھ اور دودھ سے بنی ہوئی اشیاء (ڈیری پروڈکٹس)۔

صنعت : ہائی ٹیکنالوجی پروجیکٹس (بشمول ایوی ایشن، کمیونیکیشنز، کمپیوٹرائیڈڈ ڈیزائن اینڈ مینوفیکچرز، میڈیکل الیکٹرانکس، فائبر اوپٹکس)، لکڑی اور کاغذ کی مصنوعات پوٹاش اور فاسفیٹس، خوراک، مشروبات، تمباکو، کاسٹک سوڈا، سیمنٹ، تعمیراتی میٹیریل، دھاتی مصنوعات، کیمیائی مصنوعات، پلاسٹک کی مصنوعات، ہیرے، ٹیکسٹائل کی مصنوعات، جوتے۔

صنعتی پیدوار کی شرح : 2.8فی صد

بجلی کی پیداوار : 2003ء میں 44.24ارب کلوواٹ آور تھی۔

فوسل فیول سے بجلی کی پیداوار: 99.9فی صد

پانی سے بجلی کی پیدوار : 0.1فی صد

بجلی کی کھپت : 39.67ارب کلوواٹ آور

بجلی کی برآمد : 1.47ارب کلوواٹ آور

بجلی کی درآمد : صفر کلوواٹ آور

برآمدات : 40.14ارب ڈالر

برآمد کی جانے والی اشیاء: مشینری اور آلات، سافٹ ویئر، ہیرے، زرعی پیداوار، کیمیکلز، ٹیکسٹائلز۔

برآمدی پارٹنر : امریکہ 36.7 فی صد
بیلجیئم 7.5 فی صد
ہانگ کانگ 4.2 فی صد

درآمدات : 43.19 ارب ڈالر

درآمد کی جانے والی اشیاء: خام مال، فوجی سازوسامان، انویسٹمنٹ گڈز، خام ہیرے، ایندھن، اجناس، اشیائے صَرف۔

درآمدی پارٹنر : امریکہ 17.9 فی صد
بیلجئیم 9 فی صد
جرمنی 6.5 فی صد
سوئٹزرلینڈ 6 فی صد
برطانیہ 5.4 فی صد
چین 4.2 فی صد

فارن ایکسچینج اور سونے کے ذخائر: 28.06 اَرب ڈالر

غیر ملکی قرض : 75.55 اَرب ڈالر

غیر ملکی معاشی امداد : 662000000 ڈالر (امریکہ سے)

کرنسی : نیا اسرائیلی شیقل

کرنسی کوڈ : آئی ایل ایس

نوٹ: اسرائیلی کرنسی کا مخفف این آئی ایس ہے لیکن انٹرنیشنل آرگنائزیشن فارسٹینڈرڈائزیشن (آئی ایس او) نے اس کا کوڈ آئی ایل ایس مقرر کیا ہے۔

مالی سال : جنوری تا دسمبر

ذرائع مواصلات

ٹیلیفون کی زیرِ استعمال مین لائنز: 30لاکھ

موبائل فون : 73لاکھ

ریڈیو براڈ کاسٹ سٹیشنز: اے ایم:23

ایف ایم:15

شارٹ ویو:2

اسرائیلیوں کے پاس موجود ریڈیوز کی تعداد: 37لاکھ

ٹیلیویژن براڈ کاسٹ سٹیشنز: 17

36 کم پاور والے ری پیٹرز

اسرائیلیوں کے پاس موجود ٹیلیویژنوں کی تعداد: 17لاکھ

انٹرنیٹ کنٹری کوڈ : .il

انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد: 32لاکھ

ٹرانسپورٹیشن

ایئر پورٹس : 51

ہیلی پورٹس : 3

پائپ لائنز : گیس 140 کلومیٹر

تیل 1509 کلومیٹر

ریلویز : 640 کلومیٹر

سڑکیں : 17237 کلومیٹر

پکی سڑکیں : 17237 کلومیٹر (بشمول 126 کلومیٹر طویل ایکسپریس ویز)

تجارتی بحری جہاز : 18

کارگو	:	1
کیمیکل ٹینکر	:	1
کنٹینر	:	6
دوسرے ملکوں میں رجسٹرڈ:		53
بہاماز	:	5
برمودا	:	1
کمبوڈیا	:	1
قبرص	:	3
ہنڈوراس	:	1
لائبیریا	:	5
مالٹا	:	27
پانامہ	:	3
سینٹ ونسنٹ اینڈ دی گریناڈینز:		1
سلوواکیا	:	6
بندرگاہیں اور ٹرمینلز	:	اشدود، ایلات، ہادیرا، حیفہ

فوج

ملٹری برانچز : اسرائیل ڈیفنس فورسز (آئی ڈی ایف)، گراؤنڈ کور، نیوی، ایئر اینڈ سپیس فورس (بشمول ایئر ڈیفنس فورسز) تاریخی اعتبار سے الگ الگ اسرائیلی ملٹری فورسز نہیں ہیں۔

فوجی ملازمت کی عمر اور ذمہ داری

17 سال برائے لازمی فوجی ملازمت (یہودی، دروز) اور رضا کارانہ فوجی ملازمت (عیسائی، مسلم، سرکیشین)

فوج میں دونوں اصناف (مرد و عورت) ملازمت کے اہل ہیں۔

لازمی فوجی خدمت: 36 ماہ برائے مرد

21 ماہ برائے خواتین

فوجی ملازمت کے لیے دستیاب مین پاور:

17 سے 49 سال تک کی عمر کے مرد: 1492125

17 سے 49 سال تک کی عمر کی عورتیں: 1443916

فوجی ملازمت کے لیے موزوں مین پاور:

17 سے 49 سال تک کی عمر کے مرد: 1255902

17 سے 49 سال تک کی عمر کے عورتیں: 1212394

ہر سال فوجی ملازمت کی عمر کو پہنچنے والے افراد کی تعداد:

18 سے 49 سال تک کی عمر کے مرد: 53760

18 سے 49 سال تک کی عمر کی عورتیں: 51293

فوجی اخراجات: 9.45 ارب ڈالر

فوجی اخراجات، جی ڈی پی کا فی صد: 7.7 فی صد

بین الاقوامی معاملات

جھگڑے

بین الاقوامی جھگڑے: غربی کنارے اور غزہ کی پٹی اسرائیل اور فلسطینیوں میں متنازعہ ہے۔ اسرائیل نے غزہ کی پٹی سے اپنے فوجیوں اور آبادکاروں کو نکال لیا ہے۔ اسرائیل 1948ء سے جولان کی پہاڑیوں پر قابض ہے۔

منشیات

اسرائیل میں کوکین اور ہیروئن کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔

(سی آئی اے فیکٹ بک سے حاصل کردہ معلومات یہاں تک تھیں۔)

اسرائیل میں آباد یہودیوں کے گروپ

1۔ ایشکینازم(Ashkenazim) یہ وہ یہودی ہیں جن کے آباؤ اجداد جرمنی، فرانس اور مشرقی یورپ میں رہتے تھے۔
روس، پولینڈ، رومانیہ، ہنگری، شمالی امریکہ، جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا سے آکر اسرائیل میں آباد ہونے والے یہودی بھی ایشکینازیم کہتے ہیں۔

2۔ سیفرڈیم(Sephardim) یہ وہ یہودی ہیں جن کے آباؤ اجداد سپین اور پرتگال میں رہتے تھے۔
مراکش، ترکی، شمالی افریقہ کے دیگر ملکوں اور بحیرۂ روم کے علاقوں سے آکر اسرائیل آباد ہونے والے یہودی بھی سیفرڈیم کہلاتے ہیں۔

3۔ مزراہم (Mizrahim) یہ وہ یہودی ہیں جن کے آباؤ اجداد سپین اور پرتگال کے سوا عرب مسلم ملکوں میں رہتے تھے۔
ایران، عراق، یمن اور شام سے آکر اسرائیل آباد ہو جانے والے یہودی مزراہم کہلاتے ہیں۔

4۔ بنی روما(Bene Roma): اٹلی سے آنے والےیہودیوں کو بنی روما کہا جاتا ہے۔

5۔ گروزم(Gruzim): جارجیا سے آنے والے یہودیوں کو گروزم کہا جاتا ہے۔

6۔ رومینیوٹیز(Romaniotes): یونان سے آنے والے یہودی کو رومینیوٹیز کہا جاتا ہے۔

7۔ تیمانی(Temani): عمان سے آنے والے یہودیوں کو تیمانی کہا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے دیگر گروپ ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ثقافتی میل جول اور باہمی شادیوں کی وجہ سے ان گروپوں میں فرق کم ہوتے جا رہے ہیں۔

مذاہب

اسرائیل کے سینٹرل بیورو آف سٹیٹکس کے 2004ء کے اختتام پر جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق 76.2 فی صد اسرائیلی مذہباً یہودی ہیں، 16.1 فی صد مسلمان، 2.1 فی صد عیسائی، 1.6 فی صد دروز اور باقی ماندہ 3.9 فی صد، جن میں سوویت روس سے آنے والے لوگ شامل ہیں، کسی مذہبی زمرے میں شمار نہیں ہوتے۔

سرکاری طور پر ایسے افراد کی تعداد نہیں بتائی جاتی جو لامذہب (Atheist) ہیں۔ اندازہ ہے کہ یہودی قرار دیئے جانے والوں میں ایک تہائی اسرائیلی لامذہب (Atheist) ہیں۔ ایک جائزے کے مطابق 51 فی صد یہودی اپنے آپ کو ''سیکولر'' قرار دیتے ہیں۔ ''سیکولر'' کہلوانے والوں میں سے 53 فی صد کا کہنا ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔

تیسرا باب

ریاستِ اسرائیل کے بنیادی قوانین اور آئین

○ بنیادی قوانین کی تاریخ ○ بنیادی قوانین پر تنقید ○ آئین سازی میں حالیہ پیش رفت ○ اسرائیل کے بنیادی قوانین کی فہرست اور نوعیت

بنیادی قوانین کی تاریخ

ریاستِ اسرائیل کا کوئی باقاعدہ آئین نہیں ہے۔ گو کہ اعلانِ آزادی کے وقت وعدہ کیا گیا تھا کہ یکم اکتوبر 1948ء تک آئین تیار کر لیا جائے گا تاہم مذہبی اور سیکولر یہودیوں کے درمیان ایسا اختلاف پیدا ہوا کہ جس کو ختم کرنا انتہائی مشکل تھا۔ چنانچہ آج تک اسرائیل میں آئین نہیں بنایا جا سکا۔ جب بن گوریان وزیرِ اعظم تھے، اس وقت انہوں نے آئین تیار کرنے والے کنونشن کو یہ کام مکمل کرنے سے روک دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ آئین اس وقت تک نہیں بنایا جانا چاہیے جب تک کہ دنیا بھر سے کافی تعداد میں یہودی اسرائیل آ کر آباد نہیں ہو جاتے۔ تاہم بعض مؤرخوں کا دعویٰ ہے کہ بن گوریان نے اپنے اقتدار پر غیر ضروری نگرانیوں سے بچنے کے لیے یہ قدم اٹھایا تھا۔

اس زمانے میں بہت سے مذہبی یہودیوں نے اس تصور کی مخالفت کی تھی کہ ملک میں کوئی ایسی دستاویز موجود ہو جسے حکومت تورات، تناکا، تالمود اور شلخان آروخ سے ''بالاتر'' تصور کرے۔ 1990ء کی دہائی میں شاس کے لیڈر آریا دیری نے اپنا یہ مشہور بیان دیا تھا کہ اگر ''احکامِ عشرہ'' (Ten Commandments) کو بھی اسرائیل کے آئین کے طور پر پیش کیا گیا تو وہ اس پر دستخط نہیں کرے گا۔

1949ء میں پہلی کنیسیٹ نے ''ہراری فیصلہ''(Harari Decision) کیا۔ کنیسیٹ نے فوری طور پر مکمل آئین تیار کرنے کا کام ملتوی کرتے ہوئے کنیسیٹ کی آئین، قانون اور انصاف کی کمیٹی کو حکم دیا کہ یہ کام آہستہ روی سے انجام دیا جائے، ہر باب کو ''بنیادی قانون'' کا نام دیا گیا، اور جب تمام ابواب تحریر کر لیے جائیں گے تب انہیں ایک جلد میں یکجا کر کے مکمل آئین میں بدل دیا جائے گا۔

1998ء میں سپریم کورٹ آف اسرائیل کے چیف جسٹس اہارون بارک نے ایک ''آئینی انقلاب'' کا اعلان کیا اور ''اسرائیل کے بنیادی قوانین'' کو آئینی بالادستی و برتری دی۔ بنیادی قوانین کنیسیٹ سے منظور ہونے والے قوانین ہیں جو ملک کے سیاسی

ڈھانچے کی صورت گری کرتے ہیں۔

1958ء سے 1988ء تک کنیسیٹ نے نو (9) بنیادی قوانین منظور کیے تھے، جو تمام کے تمام ریاستی اداروں سے متعلق تھے۔ 1992ء میں پہلی مرتبہ دو ایسے بنیادی قوانین منظور کیے گئے جن کا تعلق حقوق سے تھا۔ وہ قوانین درجِ ذیل ہیں:

1۔ بنیادی قانون: انسانی شرف اور آزادی

2۔ بنیادی قانون: قبضے کی آزادی۔

پہلا بنیادی قانون 21-32 اور دوسرا بنیادی قانون 0-23 ووٹوں سے منظور ہوا تھا۔

بنیادی قوانین پر تنقید

بنیادی قوانین کے ناقدین کا کہنا ہے:

☆ یہ قوانین کوئی خصوصی آئینی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ انہیں کنیسیٹ کی صرف ایک کمیٹی نے منظور کیا ہے۔

☆ ان قوانین پر قومی مباحثہ نہیں کرایا گیا، ان کے لیے ریفرنڈم نہیں کرایا گیا اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے جمہوری عمل کے ذریعے منظور کرایا گیا ہے جس سے انہیں ہمہ گیر جواز حاصل ہو جاتا۔

☆ دیگر آئینی دستاویزات کے برعکس ان ''بنیادی قوانین'' میں سادہ اکثریت ترمیم کر سکتی ہے۔ جبکہ دنیا کے دوسرے ملکوں میں واضح اکثریت یا ریفرنڈم کے ذریعے ترمیم کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

☆ بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ ''بنیادی قوانین'' کی برتری و بالادستی اس حقیقت سے پھوٹتی ہے کہ کنیسیٹ نے انہیں آئین ساز اسمبلی کی حیثیت سے بنایا ہے، اور یہ کہ انہیں محض ''بنیادی قوانین'' کہنے سے انسان یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ وہ آئینی اعتبار سے برتر و بالادست ہیں۔

آئین سازی میں حالیہ پیش رفت

حالیہ برسوں میں آئین، قانون اور انصاف کی کمیٹی نے مکمل آئین کی تیاری کا

کام دوبارہ شروع کیا ہے۔اس نے تجاویز کا ایک مجموعہ تیار کر کے 13 فروری 2006ء کو کنیسیٹ میں پیش کیا۔یوں "ہراری فیصلے" والی سوچ اور بنیادی قوانین کے دور کے خاتمے کا آغاز ہو گیا ہے۔اسرائیل کی تین سب سے بڑی پارٹیوں کے لیڈروں (قادیمہ پارٹی کے ایہوداولمرت، جو وزیراعظم ہیں، لیبر کے عامر پیریتز اور لیکوڈ کے بنجامن نیتن یاہو) نے سترہویں کنیسیٹ کو آئین کے مکمل خاکے پر بحث کرنے کا کہا ہے۔

اسرائیل کے بنیادی قوانین کی فہرست اور نوعیت

بنیادی قانون	تفصیل	منظوری کا سال
کنیسیٹ	ریاستی مقننہ ریاست کے ایوانِ نمائندگان کی حیثیت سے کام کرے گی۔	1958ء
عوامی املاک	اس امر کی ضمانت دیتا ہے کہ ریاستی زمین قومی ملکیت ہی رہیں گی۔	1960ء
صدرِ ریاست	یہ قانون صدرِ ریاست کی حیثیت، انتخاب، اہلیتوں، اختیارات اور طریقہ ہائے کار سے متعلق ہے۔	1964ء
حکومت	اس کی جگہ 1992ء کے قانون نے لے لی ہے۔	1968ء
ریاستی معیشت	یہ قانون ریاست کی اور ریاست کو ادا کردہ رقوم نیز سکہ ڈھالنے کے اختیار سے متعلق ہے۔	1975ء
فوج	یہ قانون اسرائیلی ڈیفنس فورسز کے آپریشن کے لیے آئینی اور قانونی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس قانون کے تحت فوج حکومت کی ماتحت ہے۔ یہ قانون فوج میں بھرتی سے متعلق بھی ہے اور اس قانون کے تحت اسرائیلی ڈیفنس فورسز کے سوا کوئی ماورائے قانون مسلح فورس نہیں بنائی جا سکتی۔	1976ء

یروشلم: اسرائیل کا دارالحکومت	اس قانون کے تحت یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیا گیا ہے، یہ قانون یروشلم کی وحدت کا تحفظ کرتا ہے، مقدس مقامات سے متعلق ہے، تمام مذاہب کے ماننے والوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے اور یروشلم کی ترقی کو خصوصی ترجیح دیتا ہے۔	1980ء
عدلیہ	یہ قانون عدلیہ کی اتھارٹی، اداروں، آزادی کے اصول، کھلے پن (Openness) تقرریوں، اہلیتوں اور اختیارات سے متعلق ہے۔	1984ء
ریاستی Comptroller	یہ قانون حکومتی اداروں، وزارتوں، محکموں، اشخاص اور ریاست کی جانب سے کام کرنے والے اداروں کے اختیارات، کاموں اور فرائض سے متعلق ہے۔	1988ء
انسانی وقار وشرف اور آزادی	اس قانون میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل میں انسانی حقوق کا احترام کیا جاتا ہے۔	1992ء
حکومت	یہ قانون کنیسیٹ کے انتخابات کے زمانے میں وزیرِ اعظم کے براہِ راست انتخاب سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ وزیرِ اعظم کی خدمات، حکومت کی تشکیل اور کاموں اور وزراء کی اہلیتوں سے متعلق ہے۔	1992ء
قبضے کی آزادی	یہ قانون اسرائیل کے شہریوں کے املاک اپنے قبضے میں رکھنے کے حق سے متعلق ہے۔	1992ء

چوتھا باب

اسرائیل کا ریاستی وانتظامی ڈھانچہ

○ مقننہ ○ انتظامیہ ○ آئین اور قانونی نظام ○ عدلیہ ○ فوج
○ معیشت ○ انسانی حقوق

مقننہ

اسرائیل کی مقننہ یک ایوانی ہے۔ اسرائیلی پارلیمنٹ کو کنیسیٹ کہتے ہیں۔ اس کے 120 اراکین ہوتے ہیں، جنہیں متناسب نمائندگی کے نظام کے تحت منتخب کیا جاتا ہے۔ کنیسیٹ کے انتخابات عموماً ہر چوتھے سال ہوتے ہیں۔ تاہم کنیسیٹ سادہ اکثریت سے اپنے آپ کو تحلیل کر کے انتخابات کا انعقاد کرواسکتی ہے۔ اس وقت بارہ پارٹیاں کنیسیٹ میں نشستوں کی حامل ہیں۔

انتظامیہ

اسرائیل کا صدر ریاست کا سربراہ ہوتا ہے۔ صدر اکثریتی پارٹی یا اتحاد کے لیڈر کو وزیرِاعظم کے طور پر منتخب کرتا ہے، جو کہ حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتا ہے۔

آئین اور قانونی نظام

اسرائیل نے ابھی تک تحریری آئین نہیں بنایا ہے۔ اس کی حکومت کنیسیٹ کے بنائے ہوئے قوانین، بالخصوص ''اسرائیل کے بنیادی قوانین'' (جو کہ فی الحال چودہ ہیں) کے تحت کام کرتی ہے۔ ان بنیادی قوانین کو اسرائیل کے مستقبل کے آئین کی اساس کے طور پر بنایا گیا تھا۔ 2003ء کے وسط میں کنیسیٹ کی آئین، قانون اور انصاف کی کمیٹی نے آئین کی تیاری کا کام شروع کیا تھا، جو کہ 2006ء میں بھی جاری ہے۔

اسرائیلی قانونی نظام اینگلو امریکی، کانٹی نینٹل، یہودی مذہبی قوانین اور ریاست اسرائیل کے قیام کے اعلامیے کا مجموعہ ہے۔ اینگلو امریکی قانون کی روایت کے مطابق اسرائیلی قانونی نظام نظائر (Precedents) کے اصول پر کام کرتا ہے۔ مدعی اور مدعا علیہ

عدالت کے سامنے ثبوت وشواہد پیش کرتے ہیں۔عدالت کسی مقدمے کی آزادنہ تفتیش نہیں کرتی۔اسرائیل میں جیوری سسٹم کو بھی نہیں اپنایا گیا۔

یہودی ، اسلامی، دروز اور عیسائی مذہبی ٹربیونلز کو شادیوں طلاق اور وراثتی معاملات نمٹانے کی انجام دہی کے خصوصی اختیارات حاصل ہیں۔

عدلیہ

اسرائیلی عدلیہ تین سطحوں پر مشتمل ہے۔سب سے نچلی سطح پر میجسٹریٹ کورٹس ہیں جو بیشتر شہروں میں ہیں۔ان سے اوپر ڈسٹرکٹ کورٹس ہیں، جو کہ اپیلیٹ کورٹس کی حیثیت سے کام کرتی ہیں۔

ڈسٹرکٹ کورٹس پانچ شہروں یروشلم، تل ابیب، حیفہ، بیر شیوااور نزارتھ میں ہیں۔ سب سے اونچی سطح پر سپریم کورٹ آف اسرائیل ہے، جو کہ یروشلم میں واقع ہے۔سپریم کورٹ آف اسرائیل دو کردار ادا کرتی ہے۔ وہ اعلیٰ ترین کورٹ آف اپیل بھی ہے اور ''ہائی کورٹ آف جسٹس'' کے نام سے ایک الگ ادارہ بھی ہے۔ ہائی کورٹ آف جسٹس (HCOJ) کو یہ منفرد ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ عام اسرائیلی شہریوں کی دائر کردہ پٹیشنوں پر فیصلے دیتی ہے۔ یہ پٹیشنیں عموماً حکومتی اداروں (بشمول مسلح افواج) کے خلاف دائر کی جاتی ہیں۔تمام حکومتی اداروں پر ایچ سی او جے کے فیصلوں کی پابندی کرنا فرض ہے۔

کنیسیٹ کے اراکین، سپریم کورٹ کے جسٹسوں اور اسرائیلی بار کے اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی ججوں کا انتخاب کرتی ہے۔ عدالتی قانون کے مطابق جج کو ستر سال کی عمر میں ریٹائر ہونا پڑتا ہے۔ سپریم کورٹ کا چیف جسٹس وزیرِ انصاف کی منظوری سے تمام عدالتوں کے رجسٹرار کا تقرر کرتا ہے۔

اسرائیل بین الاقوامی عدالتِ انصاف کا رُکن نہیں ہے کیونکہ اسے خطرہ ہے کہ اس طرح مقبوضہ علاقوں میں آباد ہونے والے یہودیوں پر مقدمے چلائے جاسکتے ہیں۔

فوج

اسرائیلی فوج کو ''اسرائیلی ڈیفنس فورسز'' (IDF) کہا جاتا ہے۔عبرانی میں اسے ''تزاہل'' کہا جاتا ہے۔ بحریہ اور فضائیہ اسرائیلی بری فوج کی ماتحت ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ اسرائیلی سلامتی کے مختلف پہلوؤں کو دیکھنے والے دیگر پیرا ملٹری ادارے بھی ہیں مثلاً ماگاو اور شین۔

آئی ڈی ایف فوجی مہارت کے اعتبار سے دنیا کی بڑی فوجوں میں شمار ہوتی ہے۔آئی ڈی ایف میں فوجیوں کی تعداد کی بجائے ان کی تربیت پر زور دیا جاتا ہے۔آئی ڈی ایف ہائی ٹیک ویپن سسٹمز اور امریکہ سے درآمد کردہ ہتھیاروں پر انحصار کرتی ہے۔

اسرائیلی مرد اور عورتیں 18 سال کی عمر میں فوج میں بھرتی ہو جاتے ہیں۔اسرائیلی مردوں کے لیے تین سال اور عورتوں کے لیے دو سال فوجی ملازمت لازمی ہے۔مذہبی اداروں میں کُل وقتی تعلیم حاصل کرنے والے یہودی فوجی ملازمت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔لازمی فوجی ملازمت پوری کرنے کے بعد اسرائیلی مرد آئی ڈی ایف کی ریزرو فورسز کا حصہ بن جاتے ہیں۔ان پر 40 سال کا ہونے تک ہر سال کئی ہفتے جنگی مشقوں میں حصہ لینا لازمی ہوتا ہے۔

انٹرنیشنل ایٹامک انرجی ایجنسی (IAEA) کو یقین ہے کہ اسرائیل کے پاس نیوکلیئر ہتھیار ہیں۔تاہم اسرائیلی حکومت نے اس امر کی نہ تائید کی ہے اور نہ تردید۔اسرائیل نے این پی ٹی اور کیمیکل ویپنز کنونشن (CWC) پر دستخط نہیں کیے۔اس نے بائیولوجیکل اینڈ ٹاکسن ویپنز کنونشن (BWC) پر بھی دستخط نہیں کیے۔

معیشت

اسرائیلی معیشت ٹیکنالوجی کے حوالے سے ترقی یافتہ ''منڈی کی معیشت'' (Market Economy) ہے، تاہم اسرائیلی حکومت بھی معاشی سرگرمیوں کے فروغ میں بھرپور حصہ لیتی ہے۔چونکہ اسرائیل معدنی وسائل سے مالا مال نہیں ہے، اس لیے اسے

خام تیل، قدرتی گیس اور کوئلے جیسے توانائی کے بنیادی ذرائع درآمد کرنا پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسرائیلی درآمدات میں اجناس، گوشت، خام مال اور فوجی ساز و سامان شامل ہیں۔ قدرتی وسائل محدود ہونے کے باوجود اسرائیل نے گزشتہ بیس برسوں میں اپنے زرعی اور صنعتی شعبے کو خاطر خواہ ترقی دی ہے۔ اجناس اور گوشت کے سوا اسرائیل غذائی پیداوار میں کافی حد تک خود انحصار ہے۔ اسرائیل کی اہم برآمدات میں ہیرے، ہائی ٹیکنالوجی، فوجی ساز و سامان، سافٹ ویئر، ادویات، فائن کیمیکلز، پھل، سبزیاں اور پھول شامل ہیں۔ اسرائیل کو عموماً کرنٹ اکاؤنٹ خسارے کا سامنا رہتا ہے جسے غیر ملکی قرضوں اور دوسرے ملکوں میں کام کرنے والے یہودیوں کی بھیجی ہوئی رقوم سے پورا کیا جاتا ہے۔ اسرائیل میں تیل صاف کرنے، ہیروں کو پالش کرنے اور سیمی کنڈکٹر فیبریکیشن کی صنعتیں قائم ہیں۔

اسرائیل پر واجب الادا قرض کا تقریباً نصف امریکہ کی دی ہوئی رقوم پر مشتمل ہے۔ یاد رہے کہ امریکہ اسرائیل کو سب سے زیادہ معاشی اور فوجی مدد دینے والا ملک ہے۔ اسرائیل نے ''اسرائیل بانڈز'' پروگرام کے تحت انفرادی سرمایہ کاروں سے اچھا خاصا غیر ملکی قرض لیا ہوا ہے۔ 1989ء سے 1999ء کے درمیان سابق سوویت یونین سے اسرائیل آ کر آباد ہونے والے یہودیوں کی تعداد ساڑھے سات لاکھ تک پہنچ گئی جو کہ اسرائیل کی کل آبادی کا چھٹا حصہ بنتا ہے۔ سابق سوویت یونین سے آنے والے یہودیوں کے توسط سے اسرائیلی معیشت کو قابلِ لحاظ سائنسی اور پیشہ ورانہ فائدہ ہوا ہے۔ 1990ء کی دہائی کے آغاز میں سرد جنگ (کولڈ وار) کے خاتمے سے نئی منڈیوں کے کھلنے اور اسرائیل میں سابق سوویت یہودیوں کی آمد سے بہت تیزی سے معاشی ترقی ہوئی تاہم جب 1996ء میں حکومت نے زیادہ سخت مالی پالیسیاں نافذ کیں تو معاشی ترقی کی رفتار کم ہوگئی۔ ان پالیسیوں کی وجہ سے 1999ء میں افراطِ زر کی شرح ریکارڈ سطح تک کم ہوگئی۔

ہائی ٹیکنالوجی انڈسٹری نے اسرائیلی معیشت کی ترقی میں گزشتہ عشرے میں بالخصوص اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسرائیل میں ہائی ٹیکنالوجی انڈسٹری کے فروغ کے دو اسباب ہیں۔ پہلا سبب ہے قدرتی وسائل کی کمی اور دوسرا سبب ہے اسرائیلی حکومت کا اپنے

شہریوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ سافٹ ویئر، کمیونیکیشنز اور لائف سائنسز میں ٹیکنالوجیکل ترقی کی وجہ سے اکثر اوقات اسرائیل کو ''دوسری سلیکون ویلی'' (Second Silicon Valley) کہا جاتا ہے۔

2004ء میں اسرائیل میں یورپ کے تمام ملکوں سے زیادہ سرمایہ کاری ہوئی اور خام قومی پیداوار کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ رہی۔ امریکہ اور کینیڈا کے بعد این اے ایس ڈی اے کیو (NASDAQ) کی فہرست میں درج سب سے زیادہ کمپنیاں اسرائیل میں ہیں۔

اسرائیل میں دنیا کے تمام ملکوں سے زیادہ سائنسی مقالے لکھے جاتے ہیں۔ یہ شرح ہے ہر 1000 افراد پر 109 سائنسی مقالے۔ اسرائیل نئی ایجادات و اختراعات کو پیٹنٹ کروائے جانے میں بھی اونچے درجے پر ہے۔ اسرائیل کی ورک فورس کا 24 فی صد حصہ یونیورسٹی ڈگری کا حامل ہے۔ اس اعتبار سے اسرائیل صنعتی دنیا کے ملکوں میں تیسرے نمبر پر ہے۔ پہلے نمبر پر امریکہ اور دوسرے نمبر پر ہالینڈ ہے۔ اسرائیلی ورک فورس کا 12 فی صد حصہ ایڈوانسڈ ڈگری کا حامل ہے۔

اسرائیل کی دوسری نمایاں انڈسٹری سیاحت (ٹورازم) ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیل میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بے شمار تاریخی و مقدس مقامات ہیں نیز اسرائیل کی آب و ہوا گرم ہے اور ساحلِ سمندر تفریح کے لیے موجود ہے۔

ہیروں کی صنعت میں قدرے زوال آیا ہے جس کا سبب اِس صنعت کی صورتِ حال میں تبدیلی اور مشرقِ بعید میں ہیروں کی صنعت کا فروغ ہے۔

چونکہ اسرائیل نے اپنی معیشت کو آزاد (لبرلائزڈ) کیا ہے، ٹیکس اور حکومتی مصارف کم کیے ہیں، اس لیے امیروں اور غریبوں میں فرق بڑھ گیا ہے۔ 2005ء میں 20.5 فی صد اسرائیلی گھرانے اور 34 فی صد اسرائیلی بچے غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔

28 جولائی 2005ء کو اسرائیل کی فی کس خام قومی پیداوار 20551.20 ڈالر

تھی۔اس اعتبار سے دنیا میں اسرائیل 42ویں نمبر پر تھا۔

انسانی حقوق

اگرچہ ریاست اسرائیل کے قیام کے اعلامیے میں کہا گیا تھا کہ اس ریاست کے شہریوں کو مکمل آزادی کے ساتھ جینے کا حق ہوگا، تاہم دنیا کے متعدد ملک، این جی اوز اور افراد اسرائیل کے انسانی حقوق کے ریکارڈ پر تنقید کرتے رہے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر عرب اسرائیلی اور اسرائیلی فلسطینی تنازعے کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ امریکی محکمۂ خارجہ کی 2005ء کی رپورٹ میں اسرائیل کے حوالے سے کہا گیا تھا، ''حکومت عموماً اپنے شہریوں کے انسانی حقوق کا احترام کرتی ہے، البتہ بعض شعبوں میں مسائل موجود ہیں۔'' 2005ء میں فریڈم ہاؤس نامی ادارے نے اسرائیل کو انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کے حوالے سے پہلے اور دوسرے درجے میں ظاہر کیا تاہم امریکی محکمۂ خارجہ، ایمنسٹی انٹرنیشنل، ہیومن رائٹس واچ، ورلڈ بینک، اسرائیل میں شہری حقوق کی ایسوسی ایشن اور اقوامِ متحدہ کی ہیومن رائٹس کمیٹی نے اسے قبول نہیں کیا۔

پانچواں باب

صرف تین ملکوں کا تسلیم شدہ متنازعہ اسرائیلی دارالحکومت

○ یروشلم کے مختلف نام ○ یروشلم کی آبادی ○ یروشلم کا رقبہ ○ یروشلم کی حکومت ○ یروشلم کا محلِ وقوع ○ قدیم شہر ○ یروشلم کا پہلا یہودی میئر ○ یروشلم کی مذہبی تقدیس ○ بنیادی قانون: یروشلم............اسرائیل کا دارالحکومت ○ قانون کا متن

یروشلم کو اسرائیل نے اپنا دارالحکومت قرار دیا ہوا ہے۔ اسرائیلی صدر کا دفتر، حکومتی دفاتر اور اسرائیلی پارلیمنٹ کنیسیٹ یہیں واقع ہیں۔ 1980ء میں کنیسیٹ نے ''بنیادی قانون: یروشلم .... اسرائیل کا دارالحکومت'' کے عنوان سے ایک قانون منظور کیا، جس میں یروشلم کو ''ابدی اور ناقابلِ تقسیم دارالحکومت'' قرار دیا گیا تھا۔ تاہم اقوامِ متحدہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ بین الاقوامی برادری کا بہت بڑا حصہ بھی یروشلم کو ایک بین الاقوامی علاقہ مانتی ہے۔ دنیا کے بیشتر ملکوں کا استدلال ہے کہ یروشلم کی حیثیت کے تعین کا مسئلہ اسرائیلی فلسطینی مذاکرات میں حل کیا جائے۔ بیشتر ملکوں نے اپنے سفارت خانے تل ابیب میں قائم کیے ہوئے ہیں۔ ابھی تک صرف تین ملکوں نے یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کیا ہے۔

یروشلم کا محلِ وقوع

یروشلم تل ابیب کے جنوب مشرق، رملہ کے جنوب، جیریکو کے مغرب اور بیت اللحم کے شمال میں واقع ہے۔ یروشلم ایک ایسا شہر ہے جہاں مختلف قوموں، مذہبوں اور سوشو اکنامک گروپوں سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں۔

یروشلم کے مختلف نام

یروشلم کو عبرانی میں ''یروشالیم'' (Yerushalaim) کہا جاتا ہے۔ عربی میں اسے ''القدس'' کہتے ہیں۔ لفظ یروشلم کے معنی ہیں ''امن و سلامتی والا شہر'' (City of Shalem City of Peace)۔ عبرانی لفظ شالیم (Shalem) کے معنی ہیں: امن و سلامتی۔ ''القدس'' کے معنی ہیں ''مقدس مقام''۔ معیاری عبرانی زبان میں یروشلم کو ''یروشالائم'' (Yerushalayim) کہا جاتا ہے۔

یروشلم کی آبادی

یروشلم کی آبادی 24 مئی 2006ء میں 72400 افراد پر مشتمل تھی۔

یروشلم کا رقبہ

یروشلم کا رقبہ 123 مربع کلومیٹر ہے۔

یروشلم کی حکومت

یروشلم میں شہری حکومت قائم ہے۔ اس کے موجودہ میئر کا نام یُوری لوپولیانسکی (Uri Lupolianski) ہے۔

قدیم شہر

یروشلم کا "قدیم شہر" کہلانے والا حصہ فصیل سے گھرا ہوا ہے۔ "قدیم شہر" کے چار مزید حصے ہیں: آرمینیائی، عیسائی، یہودی اور مسلم۔

یروشلم کی مذہبی تقدیس

یروشلم یہودیوں اور عیسائیوں کا مقدس ترین شہر ہے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے بعد مسلمانوں کا بھی تیسرا سب سے مقدس شہر ہے۔

یروشلم اور یہودیت

یروشلم قدیم زمانوں سے یہودیوں کے مذہبی شعور میں محفوظ ہے۔ یہودی Book of Samuel اور Book of Psalms میں ہمیشہ پڑھتے آئے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام (جنہیں یہودی اور عیسائی کنگ ڈیوڈ King David کہتے ہیں) یروشلم کو فتح کر کے وہاں یہودی معبد (Jewish Temple) تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ یہودیوں کی بہت سی معروف دعاؤں اور مذہبی گیتوں میں "کنگ ڈیوڈ" کی یروشلم کے حوالے سے تمناؤں کا ذکر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یروشلم بہت تیزی سے اسرائیل کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ اس کی تیز رفتار توسیع مذہبی اسرائیلیوں اور اسرائیل سے باہر آباد مذہبی یہودیوں کی مدد کی مرہونِ منت تھی۔ انگریزوں کی کروائی ہوئی مردم شماری کے ریکارڈز کے مطابق یہودی 1864ء سے یروشلم میں اکثریت میں ہیں۔

بااین ہمہ سیکولر اسرائیلی یروشلم سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے اور کم ہی اس کا دورہ کرتے ہیں۔ جبکہ اسرائیلی اور اسرائیل سے باہر آباد یہودی مذہبی کمیونٹیز اسے مرکزی اہمیت دیتی ہیں۔

یروشلم اور اسلام

سعودی عرب کے شہروں مکہ اور مدینہ کے بعد مسلمانوں کا تیسرا مقدس ترین مقام اسرائیل میں ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ ''حرم الشریف'' سے آسمان پر گئے تھے۔ نہ صرف اسرائیلی مسلمانوں بلکہ تمام مسلمانوں کے اس عقیدے کی وجہ سے گنبدِ صخریٰ اور اس سے متصل مسجد الاقصیٰ کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ اس حوالے سے یہ مقام خصوصی طور پر اس وجہ سے بھی حساس بن گیا ہے کہ یہ ریاستِ اسرائیل کے کنٹرول میں ہے۔ اسرائیلی حکومت نے سرکاری طور پر مسجد الاقصیٰ اسلامی وقف کے حوالے کر رکھی ہے۔

اسرائیل میں آباد بیشتر مسلمان سُنّی عرب ہیں۔ 1916ء سے 1917ء تک سُنّی عثمانی ترکوں نے اس علاقے پر حکومت کی، جو آج اسرائیل میں شامل ہے۔ عثمانیوں نے اس اَمر کو یقینی بنایا کہ اس علاقے میں اسلام کو مرکزی اہمیت حاصل ہو۔ 1917ء میں فلسطین پر برطانیہ کے قبضے کے بعد یہاں یہودیوں کو بڑی تعداد میں آباد ہونے کے مواقع میسر آئے۔ انگریزوں نے علاقے کی علامتی اسلامی حکومت (Symbolic Islamic Governence) آلِ سعود کی بجائے اردن کے ہاشمیوں کو منتقل کی تھی۔ لہٰذا ہاشمی یروشلم اور اس کے اردگرد واقع اسلامی مقدس مقامات کے سرپرست بن گئے۔ 1948ء۔1967ء میں غربی کنارے پر اردن کے کنٹرول کے دوران اس حیثیت کو زیادہ تقویت ملی تھی۔

1922ء میں انگریزوں نے ''فلسطین کے برطانوی انتداب'' (British Mandate of Palestine) میں سپریم مسلم کونسل (Supreme Muslim Council) قائم کی اور امین الحسینی (1974ء- 1895ء) کو یروشلم کا مفتیٔ اعظم مقرر کیا۔

اس کونسل کو 1948ء میں ختم کر دیا گیا تاہم مفتیٔ اعظم کا عہدہ موجود ہے۔ اسرائیلی مسلمانوں کو اپنے بچوں کو اپنے سکولوں میں تعلیم دلانے کی آزادی ہے۔

یروشلم اور عیسائیت

یروشلم میں ابراہیمی مذاہب میں سے عیسائیت کے پیروکار تعداد میں سب سے کم ہیں۔ اسرائیل میں مستقلاً آباد بیشتر عیسائی عرب ہیں یا گرجا گھروں اور خانقاہوں میں خدمات انجام دینے کے لیے دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے ہیں۔ یہ سلسلہ بہت پرانے زمانے سے جاری ہے۔

اگرچہ عیسائی تعلیمات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم میں پیدا ہوئے، انہوں نے یہاں زندگی بسر کی اور یہیں فوت ہوئے۔ اس اعتبار سے یروشلم عیسائیت کا مقدس ترین مقام ہے۔ تاہم مسلمانوں اور یہودیوں کے مقابلے میں یہاں عیسائی بہت کم تعداد میں آباد ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

1) اسلام کے آنے کے بعد مشرقِ وسطیٰ اور اس کے متصل علاقوں میں عیسائیت کا اثر و نفوذ ختم ہو گیا۔

2) جدید صیہونیت کے ابھار اور عالمی طاقتوں کے مابین توازنِ قوت (Balance of Power) میں تبدیلی کے نتیجے میں لاکھوں یہودی نئی قائم شدہ ریاستِ اسرائیل میں آ کر آباد ہو گئے۔ بیشتر اسرائیلی یہودی ایسٹرن آرتھوڈوکس چرچ سے تعلق رکھتے ہیں۔ گیارہویں سے تیرہویں صدیوں میں مغربی یورپ نے صلیبی جنگیں (کروسیڈ) کیں، جن کی وجہ سے رومن کیتھولک چرچ کو اس علاقے میں اثر و نفوذ ملا۔ 1889ء میں عثمانی سلطنت نے کیتھولک چرچ کو دوبارہ فلسطین میں کام کرنے کی اجازت دی تھی۔

مارچ 2000ء میں رومن کیتھولک چرچ کے سربراہ پوپ جان پال دوم نے اسرائیل کا دورہ کیا۔ انہوں نے رومن کیتھولک چرچ اور یہودیوں کے مابین صدیوں پرانی معاندت کو ختم کرنے کے لیے ہولوکاسٹ کے اسرائیلی قومی میموریل "یادواشیم" (Yad Vashem) کا دورہ کیا۔

جدید دور میں اسرائیل کی حمایت میں عیسائیت کے سب سے فعال حلقے پروٹیسٹنٹ چرچ ہیں، جو کہ ایوانجیلیکل ازم کے حامی ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے شروع میں وہ برطانیہ میں بہت زیادہ اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ بعض لوگ اِسی وجہ سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ آرتھر بالفور (1930ء - 1848ء) نے 1917ء میں بالفورڈیکلریشن اسی پس منظر میں پیش کیا تھا۔ بالفورڈیکلریشن میں برطانیہ نے فلسطین میں یہودیوں کے وطن کے قیام کا وعدہ کیا تھا۔ بیسویں صدی کے آخری حصے سے لے کر موجودہ زمانے تک امریکہ تک ایوانجیلیکل گروپ یہودیوں کے وطن کی بھرپور حمایت اور اس کے لیے لابنگ کرتے آئے ہیں اور کرر ہے ہیں۔

ایوانجیلیکل عیسائی عبرانی بائبل پر ایمان رکھتے ہیں اور یہودیوں کی صیہون (اسرائیل) میں واپسی کی پیشگوئیوں کو مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یسوع کی دوسری آمد کے لیے اس پیشگوئی کو لازماً پورا ہونا چاہیے۔ ہر سال ہزاروں ایوانجیلیکل عیسائی انفرادی اور اجتماعی طور پر بائبل کی سرزمین اسرائیل کی زیارت کرنے آتے ہیں۔ ان کے زیارتی دوروں سے اسرائیل کی مقامی معیشت کو زبردست فائدہ ہوتا ہے۔ چند جدید چرچوں (Churches) نے اسرائیل میں اپنی شاخیں (برانچیں) قائم کی ہیں۔ وہ سارے اسرائیل میں یہودیوں کو تبدیلیٔ مذہب کی ترغیب دینے کے لیے ادارے قائم کر کے کام کر رہے ہیں، جس پر اسرائیلی مذہبی اسٹیبلشمنٹ ان پر مشتعل ہے۔ اگرچہ عیسائیت قبول کر لینے والے اسرائیلی یہودیوں کی درست تعداد کا علم نہیں ہے تاہم ان کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔

روس اور یوکرائن سے آنے والے تقریباً دس لاکھ آبادکاروں میں سے سارے لوگ یہودی مذہبی قانون کی تعریف کے مطابق یہودی نہیں ہیں۔ بعض رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ ان میں سے تقریباً ایک تہائی لوگ عیسائی ہیں تاہم چند ہزار افراد ہی کھلم کھلا عیسائیت پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے گھرانوں کے چند افراد یہودی ہیں، اور انہیں ''واپسی کے قانون'' (Law of Return) کے تحت اسرائیل میں آباد ہونے کا حق ملا ہے۔ ان میں سے بہت سے عیسائی اسرائیلی ڈیفنس فورسز میں خدمات انجام دے چکے ہیں۔ جنگ کے دوران ہلاک ہونے والے عیسائیوں کو اسرائیل کے عیسائی قبرستانوں میں دفنایا گیا ہے۔

یروشلم کا پہلا یہودی میئر

اسرائیل کا موجودہ میئر یوری لوپولیانسکی اس عہدے پر فائز ہونے والا پہلا یہودی ہے۔

''بنیادی قانون: یروشلم......اسرائیل کا دارالحکومت''

30 جولائی 1980ء کو اسرائیلی پارلیمنٹ کنیسیٹ نے اس قانون کو منظور کیا تھا۔ اسے اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل نے قرارداد 478 کے ذریعے بین الاقوامی قانون کے تحت ''غیر قانونی'' (Illegal) قرار دیا تھا۔

قانون کا متن

''بنیادی قانون: یروشلم، اسرائیل کا دارالحکومت۔''

1۔ مکمل اور متحد یروشلم اسرائیل کا دارالحکومت ہے۔

2۔ ریاست کے صدر دفتر کنیسیٹ، حکومت کے دفاتر اور سپریم کورٹ یروشلم میں قائم ہیں۔

3۔ اس شہر میں واقع مقدس مقامات کا تحفظ کیا جائے گا اور ہر مذہب کے ماننے والوں کو اپنے مقدس مقامات تک رسائی کی آزادی ہوگی۔

4۔ (الف) حکومت کنیسیٹ کی فنانس کمیٹی کی منظوری سے یروشلم اور اس کے شہریوں کی ترقی کے لیے خصوصی فنڈز مہیا کرے گی، جس میں یروشلم کی میونسپلٹی کو دی جانے والی سالانہ خصوصی گرانٹ (کیپٹیل سٹی گرانٹ) بھی شامل ہے۔

(ب) حکومتی اہل کار یروشلم کی معاشی اور دوسرے حوالوں سے ترقی کے لیے ترجیحی طور پر کام کریں گے۔

(ج) حکومت اس شق پر عمل درآمد کے لیے خصوصی ادارے قائم کرے گی۔

اس قانون کے مسودے پر وزیراعظم میناکیم بیگن اور صدر یتزاک ناوون نے دستخط کیے تھے۔

چھٹا باب

تل ابیب: اسرائیل کا سفارتی دارالحکومت

○ محلِ وقوع ○ رقبہ ○ آبادی ○ دنیا میں سب سے زیادہ یہودی آبادی والا علاقہ ○ نام کے معانی ○ تل ابیب کی تاریخ ○ تل ابیب کا کلچر ○ مشہور میوزیم ○ پارک اور باغات ○ ہم جنس پرستوں کا گڑھ اور شبینہ زندگی ○ تل ابیب کی معیشت ○ تل ابیب کی آب وہوا ○ ٹرانسپورٹیشن ○ تل ابیب کے سسٹر ○ ہمشیر شہر (Sister Cities)

محلِ وقوع

تل ابیب بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع ہے۔ یہ اسرائیل کے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ گنجان آباد علاقے گش ڈان کا مرکزی حصہ ہے۔

رقبہ

تل ابیب کا رقبہ 50.6 مربع کلومیٹر یا 19.5 مربع میل ہے۔

آبادی

تل ابیب کی فی کلومیٹر آبادی 7445 افراد ہے۔ اسرائیلی بیورو آف سٹیٹسٹکس (سی بی ایس) کے مطابق مئی 2006ء میں تل ابیب کی آبادی 307900 افراد پر مشتمل تھی۔ اس شہر کی آبادی میں ایک فی صد سالانہ کے حساب سے اضافہ ہو رہا ہے۔

تل ابیب کے 96.1 فی صد شہری یہودی، 3 فی صد عرب مسلم اور 0.9 فی صد عرب عیسائی ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق 50000 کے لگ بھگ غیر اندراج شدہ غیر ملکی ورکر تل ابیب میں موجود ہیں۔

دنیا میں سب سے زیادہ یہودی آبادی والا علاقہ

2001ء کے ایک تخمینے کے مطابق تل ابیب کا میٹروپولیٹن علاقہ یہودی آبادی والا دنیا کا سب سے بڑا علاقہ ہے۔ یہاں ڈھائی لاکھ یہودی آباد ہیں۔ دوسرے نمبر پر نیویارک سٹی ہے۔ تل ابیب کا نظامِ حکومت ''شہری'' (City Government) ہے۔ اس کے انتظامی سربراہ کو میئر (Mayor) کہا جاتا ہے۔

نام کے معانی

عبرانی نام ''تل اَوِیو'' (Tel Aviv) کے معنی ہیں: ''بہار کی پہاڑی۔ ''تل'' (Tel) کا معنی ہے ''پہاڑی'' اور ''اَوِیو'' کا معنی ہے ''بہار۔'' 1948ء سے پہلے اس علاقے کو عربی زبان میں ''تال الربیع'' کہتے تھے، جو کہ ''تل اَوِیو'' کا ہم معنی ہے، یعنی اس کے معنی بھی ''بہار کی پہاڑی'' ہے۔ واضح ہو کہ بعض لوگ عربی لفظ ''ربیع'' سے بہار کے موسم میں پیدا ہونے والے پھل اور اُگنے والا سبزہ بھی مراد لیتے ہیں۔ اس شہر کا عبرانی نام پہلی مرتبہ ناہوم سوکولوف نے تھیوڈور ہرزل کی جرمن زبان میں لکھی گئی کتاب ''آلٹنیو لینڈ'' (Altneuland) کے عبرانی ترجمے میں استعمال کیا تھا۔ ''آلٹنیو لینڈ'' کا مطلب ہے ''قدیم نئی سرزمین۔''

کہا جاتا ہے کہ سوکولوف نے ''تل ابیب'' کی اصطلاح ان معنوں میں استعمال کی تھی کہ قدیم یہودی شہر کے ملبے (''تل'') پر ایک نیا عظیم الشان شہر دوبارہ آباد ہوگا (''اَوِیو'')۔ سوکولوف نے یہ اصطلاح ''ایزکائیل کی کتاب'' (The Book of Ezekiel) سے لی تھی۔

تل ابیب کی تاریخ

جدید تل ابیب کی آبادکاری کا آغاز 1880ء کی دہائی میں ہوا تھا۔ تاہم اس کی باقاعدہ بنیاد ''اہوزات بابیت'' (Avuzat Bayit) کے نام سے 1909ء میں رکھی گئی تھی، جسے بعد میں تل ابیب (Tel Aviv) کا نام دیا گیا۔ شروع میں اسے ''جافہ'' کی مضافاتی بستی کے طور پر بسایا گیا تھا لیکن جلد ہی یہ اسرائیلی شہری زندگی کا مرکز بن گیا۔ اس کی یہ حیثیت آج بھی برقرار ہے۔

1930ء سے 1950ء کے عشروں کے دوران تل ابیب میں 2500 کے لگ بھگ عمارتیں تعمیر کی گئیں۔

2003ء میں یونیسکو نے تل ابیب کے ''سفید شہر'' کو ورلڈ ہیریٹیج سائٹ (World Heritage Site) قرار دیا۔

1948ء کی عرب اسرائیلی جنگ کے دوران یروشلم کا محاصرہ ہوا تو مئی 1948ء سے دسمبر 1948ء تک تل ابیب کو اسرائیل کا عارضی دارالحکومت بنایا گیا۔ جنگ کے بعد اسرائیل نے یروشلم کو دوبارہ دارالحکومت قرار دیا تو تقریباً تمام ملکوں نے اپنے سفارت خانے تل ابیب ہی میں قائم رکھے جبکہ 1980ء کی دہائی کے دوران تیرہ مزید ملکوں نے اپنے سفارت خانے یروشلم سے تل ابیب منتقل کر لیے۔ سفارت خانے تل ابیب منتقل کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ ملک یروشلم پر اسرائیلی اور فلسطینی دعوؤں کے ٹکراؤ میں خود کو غیر جانب دار رکھنا چاہتے ہیں۔

1950ء میں تل ابیب اور جافہ کو ایک میونسپلٹی ''تل ابیب ہافو'' میں ضم کر دیا گیا۔

تل ابیب کا کلچر

تل ابیب یونیورسٹی اسرائیل کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی مشہور ہے۔ دنیا میں اس کے فزکس، کمپیوٹر سائنس اور کیمسٹری کے شعبے معروف ہیں۔

تل ابیب میں بہت سے کلچر سینٹرز ہیں جن میں ''اوپیرا ہاؤس'' (Opera House) اور ''کلچرل ہال'' نمایاں ہیں۔ کلچرل ہال میں تین ہزار افراد کے بیٹھنے کا انتظام ہے۔ تل ابیب میں کئی تھیئٹر کمپنیاں (Theatre Companies) اور تھیئٹر ہال ہیں، جن میں ''ہابیما تھیئٹر'' (Habima Theatre) سب سے زیادہ مشہور ہے۔

مشہور میوزیم

تل ابیب میں کئی میوزیم اور آرٹ گیلریاں ہیں، جن میں سے چند ایک کے نام درجِ ذیل ہیں:

1۔ارتز اسرائیل میوزیم:

یہ قدیم آثار اور تاریخی نوادرات کے حوالے سے مشہور ہے۔

2۔تل ابیب میوزیم آف آرٹ

یہ اسرائیل کا ایک اہم آرٹ میوزیم ہے۔

3۔جیوئش ڈایا سپورا میوزیم

یہ میوزیم تل ابیب یونیورسٹی میں قائم کیا گیا ہے اور اسے دنیا بھر میں یہودیوں کی تاریخ کے لیے وقف کیا گیا ہے۔

4۔ بیتے ہاوسیف میوزیم

یہ اسرائیلی ڈیفنس فورسز کی عسکری تاریخ کا میوزیم ہے۔

5۔پالماک میوزیم

یہ بھی ایک عسکری میوزیم ہے اور تل ابیب یونیورسٹی کے نزدیک واقع ہے۔

پارک اور باغات

تل ابیب میں متعدد پارک اور باغات موجود ہیں۔ سب سے بڑا پارک ''ہایارکون'' ہے۔گان مائیر دوسرا مشہور پارک ہے جو کہ کنگ جارج سٹریٹ پر واقع ہے۔

ہم جنس پرستوں کا گڑھ اور شبینہ زندگی

تل ابیب میں ہم جنس پرستوں کی ''گے پرائیڈ پیریڈ'' (Gay Pride Parade) ہوتی ہے، جس میں 100000 افراد شرکت کرتے ہیں۔ یہ مشرقِ وسطیٰ میں ہم جنس پرستوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔

تل ابیب اپنی آزادہ روی (Openness) اور ولولہ انگیز شبینہ زندگی (Night

(Life) کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

تل ابیب کی معیشت

دسمبر 2001ء کے اعداد و شمار کے مطابق تل ابیب کا سوشوا کنامک (Socioeconomic) درجہ "اونچا" قرار دیا گیا تھا (دس میں آٹھواں)۔

2000ء میں بارہویں جماعت کا امتحان پاس کرنے والے طلبا میں سے 63.1 فی صد طلبا نے گریجوایشن کی۔

2000ء میں تل ابیب کے شہریوں کی اوسط آمدنی 6773 نیو اسرائیلی شیقل تھی، جو کہ ملکی اوسط آمدنی کے برابر ہے۔

سابق سوویت یونین سے آنے والے بہت سے یہودی کمپیوٹر سائنٹسٹ تل ابیب میں رہتے اور کام کرتے ہیں۔ "نیوز ویک" نے تل ابیب کو ایک ارتقا پذیر ٹیکنالوجیکل سینٹر قرار دیا ہے۔ نیوز ویک نے اسے ٹیکنالوجی کے اعتبار سے دس ترقی یافتہ ترین شہروں میں شامل کیا ہے۔

تل ابیب کی آب و ہوا

تل ابیب کا موسم گرمیوں میں شدید گرم اور سردیوں میں سخت ٹھنڈا ہوتا ہے۔ یہاں بارشیں بھی خوب ہوتی ہیں۔

تل ابیب کا اوسط درجۂ حرارت گرمیوں میں 26°C اور سردیوں میں 12°C ہوتا ہے۔

ہوا میں تقریباً سارا سال نمی رہتی ہے۔ اکتوبر تا اپریل موسم مرطوب ہوتا ہے، اس دوران طوفانِ بادوباراں بھی آتے ہیں۔

تل ابیب میں اوسطاً 530 ملی میٹر سالانہ بارش ہوتی ہے۔ درجۂ حرارت ہر موسمِ سرما میں ایک یا دو مرتبہ صبح کے وقت 6°C تک کم ہو جاتا ہے جبکہ موسمِ بہار میں آنے والی گرمی کی لہروں (Heatwaves) کے دوران درجۂ حرارت 34°C تک پہنچ جاتا ہے۔

ٹرانسپورٹیشن

تل ابیب میں 4 ریلوے سٹیشن ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہر ماہ دس لاکھ افراد ریشون لی زائیون، ریہووت اور پیتاہ تیکوا سے تل ابیب آتے اور واپس جاتے ہیں۔

تل ابیب کے جنوب میں ''تل ابیب سینٹرل بس سٹیشن'' ہے، جو شہر کا سب سے بڑا بس سٹیشن ہے۔ تل ابیب کا سب سے بڑا بس نیٹ ورک ''ڈان بس کمپنی (Dan Bus Company) چلاتی ہے۔ دنیا کی دوسری سب سے بڑی بس کمپنی ''ایگڈ بس کوآپریٹو'' (Egged Bus Co-Operative) تل ابیب میں انٹرسٹی بسیں چلاتی ہے۔

تل ابیب کے شمال میں ایئرپورٹ ہے جس کا نام ''ڈووہوز ایئرپورٹ'' (Dov Hoz Airport) ہے۔ یہاں سے زیادہ پروازیں اسرائیل کے مختلف شہروں کو جاتی ہیں۔

''بین گوریان انٹرنیشنل ایئرپورٹ'' تل ابیب کے جنوب مشرق میں شہر سے 15 کلومیٹر دور ''لوڈ'' شہر کے قریب واقع ہے۔

تل ابیب میں ''سب وے'' تعمیر کیا جا رہا ہے، جس کا پہلا مرحلہ 2012ء تک مکمل کر لیا جائے گا۔

تل ابیب کے میئر

1921ء سے لے کر 1998ء تک تل ابیب کے میئر منتخب ہونے والوں کے نام اور عرصۂ حکومت درج ذیل ہیں:

☆ مائیر ڈیزنگوف	1921ء-1925ء
☆ ڈیوڈ بلوخ	1925ء-1927ء
☆ مائیر ڈیزنگوف	1928ء-1936ء
☆ اسرائیل روکاش	1936ء-1952ء
☆ شائیم لیوانن	1953ء-1959ء
☆ مورڈیکائی نامیر	1959ء-1969ء

☆ یہوشوارابنووٹز 1969ء۔1974ء
☆ شلومولاہات 1974ء۔1993ء
☆ رونی میلو 1993ء۔1998ء
☆ رون ہلڈائی 1998ء تا حال

''ہمشیرشہر'' (Sister Cities)

درجِ ذیل شہروں کو مختلف برسوں میں تل ابیب کے ''ہمشیرشہر'' (Sister Cities) قرار دیا گیا ہے:

☆ تولوز 1962ء
☆ فلاڈیلفیا 1967ء
☆ فرینکفرٹ 1980ء
☆ بوڈاپسٹ 1989ء
☆ بون 1983ء
☆ بیونس آئرس 1988ء
☆ بلغراد 1990ء
☆ سوفیا 1992ء
☆ واسا 1992ء
☆ کینیز 1993ء
☆ ایسین 1992ء
☆ تھیسالونیکی 1994ء
☆ میلان 1994ء
☆ لودز 1994ء
☆ بیجنگ 1995ء

☆	کولون	1997ء
☆	نیویارک سٹی	1996ء
☆	بارسلونا	1998ء
☆	غزہ	1998ء
☆	ازمیر	1998ء
☆	الماتے	1999ء
☆	انکیون	2000ء
☆	چزینو	2000ء
☆	ماسکو	2000ء
☆	ویانا	2005ء

ساتواں باب

ہاتِکوا: اسرائیل کا قومی ترانہ

○ ہاتکوا کے معنی ○ ہاتکوا کی تاریخ ○ ایک دلچسپ حقیقت
○ ہاتکوا کی دُھن ○ ہاتکوا کا متن ○ ہاتکوا پر تنقید

ہاتکوا کے معنی

ہاتکوا عبرانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں ''اُمید۔''

ہاتکوا کی تاریخ

ہاتکوا نو (9) بندوں پر مشتمل نظم تھی، جسے نیفتالی ہرز اِمبر نامی شاعر نے، جو کہ زلوچزوف، یوکرین میں رہتا تھا، 1878ء میں تخلیق کیا تھا۔ اس نے اپنی نظم کا عنوان ''تِکواتینو'' (Tikvatenu) رکھا تھا، جس کے معانی ہیں ''ہماری اُمید۔''

1897ء میں منعقد ہونے والی پہلی صیہونی کانگرس میں اسے صیہونیت کے ترانے کے طور پر اختیار کیا گیا۔ بعدازاں موسیقار پال بین ہائیم نے یوکرینی یہودی لوک دُھنوں کی بنیاد پر اس ترانے کی دُھن بنائی۔

اس ترانے میں ریشوں لی زائیون کے آبادکاروں نے ترمیم و اضافے کیے۔ ترمیم و اضافے کا سلسلہ 1948ء تک جاری رہا۔ 1948ء میں ریاستِ اسرائیل قائم ہوئی تو اسے اسرائیل کا قومی ترانہ بنانے کا اعلان کیا گیا۔

ترانے کی موجودہ صورت میں اصل نظم کا صرف پہلا بند باقی ہے۔ نظم میں کی گئی سب سے اہم تبدیلی یہ ہے کہ اس میں کہا گیا ہے کہ صیہون (Zion) کو واپسی کی امید اب نہیں رہی، اب ایک آزاد ملک و قوم بننے کی امید باقی ہے۔

ایک دلچسپ حقیقت

ایک دلچسپ لیکن کم معروف حقیقت یہ ہے کہ نومبر 2004ء تک ''ہاتکوا'' کو اسرائیل کا قومی ترانہ قرار دینے کا سرکاری اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ نومبر 2004ء میں کنیسیٹ نے ''فلیگ اینڈ کوٹ آف آرمز لا'' (Flag and Coat of Arms Law) میں ترمیم کر کے باقاعدہ طور پر ''ہاتکوا'' کو اسرائیل کا قومی ترانہ قرار دیا۔ اب مذکورہ قانون کا عنوان ''فلیگ، کوٹ آف آرمز اینڈ نیشنل اینتھم لا'' (Flag . Coat of Arms and

National Anthem Law) ہے۔

ہاتکوا کی دُھن

ہاتکوا کی دُھن ایک نامعلوم اصل (Origin) کے لوک گیت سے اخذ کی گئی تھی۔ اسی لوک گیت کی دُھن سے ایک برطانوی مائیر لیون نے اپنے سینا گوگ کے الوہی نغمے ''یگدال'' (Yigdal) کی دُھن اخذ کی تھی۔

ہاتکوا کی جدید دُھن 1888ء میں موسیقار سیموئیل کومن نے بنائی تھی۔

ہاتکوا دھیمے سُروں میں گایا جاتا ہے۔اس کی دُھن سوز سے لبریز ہے۔تاہم جیسے کہ اس کے عنوان (امید) سے ظاہر ہے، ترانے کا مُوڈ تحریک دینے والا ہے، مجہول کر دینے والا نہیں۔

ہاتکوا کا متن

ہاتکوا عبرانی زبان میں ہے۔ ذیل میں ہم اس کے انگریزی ترجمے کا اردو ترجمہ درج کر رہے ہیں:

ہر یہودی کے دل میں ایک ہی آرزو ہے،
ہر یہودی کی نگاہ مشرق کی طرف ٹکی ہوئی ہے،
ہر یہودی کی نگاہ کا مرکز صیہون ہے،
ہم نے اپنی امید کھوئی نہیں ہے،
............امید جو کہ دو ہزار سال پُرانی ہے!
یہ امید کہ ہم اپنے وطن میں ایک آزاد قوم کی حیثیت سے جئیں گے،
ہمارا وطن............صیہون اور یروشلم کی سرزمین!

ہاتکوا پر تنقید

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ''ہم نے اپنی امید کھوئی نہیں ہے'' والا مصرعہ پولینڈ کے قومی ترانے کے اس مصرعے کا چربہ ہے: ''پولینڈ ابھی کھویا نہیں ہے۔'' بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مذکورہ مصرعہ یوکرین کے قومی ترانے کے مصرعے ''یوکرین ابھی فنا نہیں ہوا'' کا چربہ ہے۔ تاہم یہودیوں کا کہنا ہے کہ یہ مصرعہ بائبل سے اخذ کیا گیا ہے۔

آٹھواں باب

اسرائیلی صدر

○ "ناسی ہامیدینا" ○ انتخاب ○ مدتِ عہدہ ○ اسرائیلی صدر
کے اختیارات ○ اسرائیلی صدور کی فہرست ○ آئین سٹائن اور
اسرائیل کی صدارت

”ناسی ہامید ینا“

ریاستِ اسرائیل کے صدر کو عبرانی میں ”ناسی ہامید ینا“ کہا جاتا ہے۔ صدر ریاستِ اسرائیل کا سربراہ ہوتا ہے، تاہم یہ عہدہ بڑی حد تک نمائشی ہے، حقیقی اختیارات اسرائیلی وزیرِاعظم کے پاس ہوتے ہیں۔

انتخاب

اسرائیلی صدر کا انتخاب اسرائیلی پارلیمنٹ یعنی کنیسیٹ مطلق اکثریت سے کرتی ہے۔ اگر کسی امیدوار کو تین بار مطلق اکثریت حاصل نہ ہو تو پھر سادہ اکثریت ہی کافی ہوتی ہے۔

مدتِ عہدہ

صدر کا انتخاب سات برس کے لیے ہوتا ہے اور ایک فرد کو دومرتبہ اس عہدے پر فائز ہونے کا حق حاصل ہے۔ اسرائیلی شہریت کا حامل کوئی بھی شخص صدارت کا امیدوار بن سکتا ہے۔ کنیسیٹ صدر کے غلط طرزِ عمل یا نااہلی کی بنیاد پر اس کا مواخذہ کر سکتی ہے اور تہائی اکثریت سے صدر کو اس کے عہدے سے ہٹا سکتی ہے۔

اسرائیلی نظامِ حکومت میں نائب صدر کا عہدہ نہیں ہے۔ صدر کی عارضی عدم موجودگی یا صدارتی نشست خالی ہونے پر کنیسیٹ کے سپیکر کو عبوری صدر بنایا جاتا ہے۔

اسرائیلی صدر کے اختیارات

دوسری ریاستوں کے سربراہوں کے برعکس اسرائیلی صدر کو محدود اختیارات

حاصل ہیں۔اسرائیلی صدر کے اختیارات درجِ ذیل ہیں:

1۔ اسرائیلی صدر ہر قانون کی منظوری دیتا ہے (سوائے صدارتی اختیارات سے متعلق قوانین کے)۔

2۔ اسرائیلی صدر کنیسیٹ میں نمائندگی رکھنے والی جماعتوں کے مشورے سے کنیسیٹ کے کسی رکن کو حکومت تشکیل دینے کے لیے منتخب کرتا ہے۔

3۔ اسرائیلی صدر سفارت کاروں کے تقرر کی توثیق کرتا ہے اور غیر ملکی سفارت کاروں کو ملک میں خوش آمدید کہتا ہے۔

4۔ اسرائیلی صدر غیر ملکوں سے ہونے والے معاہدوں کی کنیسیٹ سے منظوری کے بعد اُن کی توثیق کرتا ہے۔

5۔ اسرائیلی صدر جوڈیشل اپوائنٹمینٹس کمیٹی کے مشورے سے سپریم کورٹ کے ججوں کا تقرر کرتا ہے۔

6۔ اسرائیلی صدر وزیرِ اعظم کے مشورے سے بینک آف اسرائیل کے گورنر اور دوسرے بیوروکریٹس کا تقرر کرتا ہے۔

7۔ اسرائیلی صدر مجرموں کی سزائیں معاف کر سکتا ہے۔

اسرائیلی صدر اپنے اختیارات متعلقہ وزیروں کے مشورے سے استعمال کرتا ہے۔اگرچہ اسرائیلی صدر کا کردار غیر سیاسی ہے، تاہم وہ اہم اخلاقی، تقریباتی اور تعلیمی کردار ادا کرتا ہے۔اسرائیلی صدر کابینہ یا حکومت کی تشکیل میں بھی ایک کردار ادا کرتا ہے۔ اسرائیلی صدر کنیسیٹ میں نمائندگی رکھنے والی تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں سے مشورہ کرتا ہے اور کنیسیٹ کے ایک رکن کو کابینہ بنانے کا فرض سونپتا ہے۔اگر وہ رکن تفویض کردہ ذمہ داری نبھانے میں ناکام ہو جائے تو کنیسیٹ میں نمائندگی رکھنے والی دوسری پارٹیاں اپنی طرف سے کسی کو نامزد کر سکتی ہیں۔ یہ ضروری ہوتا ہے کہ جس شخص کو کابینہ تشکیل دینے کا کہا گیا ہو، وہ کنیسیٹ میں سب سے زیادہ بااثر سیاسی پارٹی یا اتحاد کا لیڈر رہو۔

اسرائیلی صدور کی فہرست

1۔	شائیم ویزمین	1952ء --	1949ء
2۔	یتزاک بن زوی	1963ء --	1952ء
3۔	زلمان شازر	1973ء --	1963ء
4۔	ایفرائیم کاتزیر	1978ء --	1973ء
5۔	یتزاک نادون	1983ء --	1978ء
6۔	شائیم ہرزوگ	1993ء --	1983ء
7۔	ایذرویزمین	2000ء --	1993ء
8۔	موشے کاتساو	--	2000ء

یتزاک بن زوی سے لے کر ایذرویزمین تک تمام اسرائیلی صدر یا تو لیبر پارٹی اور اس کی جانشین جماعتوں کے باقاعدہ رکن تھے یا اس سے منسلک تھے اور تمام صدر سیاسی اعتبار سے اعتدال پسند تصور کیے جاتے رہے ہیں۔ یہ رجحانات بالخصوص اپریل 1978ء کے صدارتی انتخابات میں نمایاں ہوئے جب حکمران لیکوڈ اتحاد اپنے صدارتی امیدوار کو منتخب کروانے میں ناکام ہو گیا اور لیبر پارٹی کے یتزاک نادون صدر منتخب ہو گئے۔ بعد ازاں 1983ء میں نادون نے لیبر سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور ان کی جگہ ملٹری انٹیلی جینس کے سربراہ اور اقوامِ متحدہ میں اسرائیل کے سفیر شائیم ہرزوگ اسرائیل کے چھٹے صدر منتخب ہوئے۔ 2000ء میں لیکوڈ پارٹی سے تعلق رکھنے والے موشے کاتساو نے لیبر پارٹی سے تعلق رکھنے والے شمعون پیریز کو شکست دے کر سیاسی ہلچل برپا کر دی تھی۔

آئین سٹائن اور اسرائیل کی صدارت

1952ء میں آئین سٹائن کو اسرائیل کا صدر بننے کی دعوت دی گئی تھی لیکن انہوں نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا تھا۔

نواں باب

کنیسیٹ اور وزیرِ اعظم

○ کنیسیٹ کیا ہے؟ ○ کنیسیٹ کا پہلا اجلاس ○ کنیسیٹ کے لیے انتخابات ○ کنیسیٹ کے اختیارات ○ کنیسیٹ کی حفاظت ○ کنیسیٹ کی تاریخ ○ موجودہ کنیسیٹ ○ کنیسیٹ کا محلِ وقوع اور عمارت ○ اسمبلی

کنیسیٹ کیا ہے؟

کنیسیٹ اسرائیلی مقننہ کا نام ہے۔ یہ یروشلم میں واقع ہے۔ اسرائیلی حکومت کی یہ قانون ساز شاخ یعنی کنیسیٹ قوانین بناتی ہے، وزیراعظم کا انتخاب کرتی ہے (اگرچہ رسمی طور پر اس کا تقرر صدر کرتا ہے) اور حکومت کے کاموں کی نگرانی کرتی ہے۔ کنیسیٹ اسرائیلی صدر کو اس کے عہدے سے ہٹانے نیز اپنے آپ کو تحلیل کر کے نئے انتخابات کا انعقاد کروانے کا اختیار رکھتی ہے۔

کنیسیٹ کا پہلا اجلاس

کنیسیٹ کا پہلا اجلاس 14 فروری 1949ء کو منعقد ہوا تھا۔

کنیسیٹ کے لیے انتخابات

ہر چار سال بعد 18 سال یا اس سے زیادہ عمر کے اسرائیلی کنیسیٹ کے 120 اراکین (ایم کے) کو ووٹ کے ذریعے منتخب کرتے ہیں۔ (عموماً اسرائیل میں انتخابات 4 سال سے پہلے ہی ہوتے رہے ہیں)۔ ''اسرائیلی حکومت'' کو کنیسیٹ سے اکثریتی ووٹ کے ذریعے لازماً توثیق لینا پڑتی ہے۔

کنیسیٹ کے اختیارات

کنیسیٹ کو مطلق پارلیمانی بالادستی حاصل ہے اور وہ سادہ اکثریت سے کوئی بھی قانون بنا سکتی ہے، حتیٰ کہ وہ ایسے قوانین بھی بنا سکتی ہے جو ''اسرائیل کے بنیادی قوانین'' سے براہِ راست متصادم ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کنیسیٹ ایک آئین ساز اسمبلی بھی ہے۔ اس سب کے باوجود کنیسیٹ مؤثر انداز میں کام کرنے سے اس لیے قاصر رہی ہے کہ

متناسب نمائندگی کے نظام کی وجہ سے عموماً غیر مستحکم اتحادی حکومت تشکیل دیتے رہے ہیں۔
اسرائیلی سپریم کورٹ نے کنیسیٹ کے بنائے ہوئے قوانین پر تقریباً ہر پہلو سے عدالتی نظرِ ثانی کر کے بڑی حد تک اپنی مقتدرہ کو وسعت دی ہے۔

کنیسیٹ کی حفاظت

کنیسیٹ کی حفاظت ''کنیسیٹ گارڈ'' کرتے ہیں۔

کنیسیٹ کی تاریخ

2006ء تک کنیسیٹ کے سترہ انتخابات ہو چکے ہیں۔ ذیل میں ہر انتخاب کے انعقاد کا سال درج ہے:

1۔	پہلا انتخاب	1949ء
2۔	دوسرا انتخاب	1951ء
3۔	تیسرا انتخاب	1955ء
4۔	چوتھا انتخاب	1959ء
5۔	پانچواں انتخاب	1961ء
6۔	چھٹا انتخاب	1965ء
7۔	ساتواں انتخاب	1969ء
8۔	آٹھواں انتخاب	1973ء
9۔	نواں انتخاب	1977ء
10۔	دسواں انتخاب	1981ء
11۔	گیارہواں انتخاب	1984ء
12۔	بارہواں انتخاب	1988ء
13۔	تیرہواں انتخاب	1992ء
14۔	چودہواں انتخاب	1996ء

15۔ پندرھواں انتخاب 1999ء

16۔ سولھواں انتخاب 2003ء

17۔ سترھواں انتخاب 2006ء

موجودہ کنیسیٹ

28مارچ 2006ء کو ہونے والے موجودہ کنیسیٹ کے انتخابات میں مختلف پارٹیوں کی صورتِ حال درجِ ذیل ہے:

پارٹی کا نام	حاصل کردہ ووٹ	فی صد	حاصل کردہ نشستیں
قادیما	690901	%22.2	29
ہاایوودا (لیبر)	472366	%15.06	19
شاس (سیفرڈی مذہبی پارٹی)	299054	%9.53	12
لیکوڈ	281996	%8.985	12
یسرائیل بیتنو (اسرائیل ہماراوطن)	281880	%8.985	11
نیشنل یونین، نیشنل ریلیجس پارٹی	224083	%7.14	9
گِل گملائے یسرائیل لاکنیسیٹ	185759	%5.92	7
یونائیٹڈ تورہ جوڈاازم	147091	%4.69	6
میریتز یاہاد	118302	%3.77	5
یونائیٹڈ عرب لسٹ	94786	%3.02	4

ہادش	86092	%2.74	3
بلاد	72066	%2.30	3
دی گرینز، اینوائرنمینٹلسٹ پارٹی	47595	%1.52	0
گرین لیف	40353	%1.29	0
نیشنل جیوئش فرنٹ	24824	%.79	0
تانفیت	18753	%.60	0
ہیتز	10113	%.33	0
شینوئی (تبدیلی)	4675	%.16	0
کل	3137064	%100	120

اہل ووٹروں کی تعداد = 5014622

ڈالے گئے ووٹ = 3186739

ٹرن آؤٹ = %63.6

ضائع ہونے والے ووٹ = 49675 (ڈالے گئے ووٹوں کا 1.56%)

فی نشست ووٹ کی تعداد 24620 بنتی ہے۔

کنیسیٹ کا محلِ وقوع اور عمارت

موجودہ کنیسیٹ کی عمارت مغربی یروشلم میں ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ اس عمارت کو جیمز اے روتھ شیلڈ (James A.Rothschild) نے ریاستِ اسرائیل کو تحفتاً پیش کیا تھا۔ 1948ء کی عرب اسرائیلی جنگ سے پہلے اس مقام پر ''شیخ بدر'' کے نام سے ایک عرب آبادی تھی۔ اس سے قبل کنیسیٹ کے اجلاس مختلف مقامات پر ہوتے رہے ہیں:

1۔ 14 فروری 1949ء: آئین ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس جیوئش ایجنسی بلڈنگ، یروشلم میں ہوا۔

2۔ 8مارچ 1949ء تا دسمبر 1949: تل ابیب کے کیسیم سنیما میں اجلاس ہوئے۔

3۔ 26دسمبر 1949ء تا 8مارچ 1950ء : جیوئش ایجنسی بلڈنگ، یروشلم میں اجلاس ہوئے۔

4۔ 13مارچ 1950ء: یروشلم میں کنگ جارج سٹریٹ میں واقع فرومین بلڈنگ میں اجلاس ہوئے۔

5۔ 1957ء: جیمز اے روتھ شیلڈ نے اسرائیلی وزیراعظم بین گوریان سے کہا کہ وہ کنیسیٹ کی مستقل عمارت کے لیے رقم مہیا کرے گا۔

6۔ 14اکتوبر 1958ء: کنیسیٹ کی نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔

7۔ 1981ء: کنیسیٹ کی عمارت کے ایک نئے حصے کی تعمیر شروع ہوئی، جس کا افتتاح 1992ء میں ہوا۔

8۔ 2005ء کنیسیٹ کا ایک اضافی حصہ زیرِ تعمیر ہے۔

کنیسیٹ کی عمارت یونانی آرتھوڈوکس پیٹر یارکیٹ آف یروشلم (Greek Orthodox Patriarchate of Jerusalem) سے پٹے (Lease) پر لی گئی ہے۔

اسمبلی

دو عام انتخابات کے درمیانی عرصے میں کنیسیٹ کو ''اسمبلی'' کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر 1949ء سے 1951ء کے درمیان کنیسیٹ کی پہلی ٹرم کو ''پہلی اسمبلی'' کہا جاتا ہے۔ موجودہ اسمبلی سترہویں اسمبلی ہے

1949ء میں منتخب ہونے والی پہلی کنیسیٹ میں مختلف پارٹیوں کی حاصل کردہ نشستوں کی تعداد درج ذیل ہے:

ماپائی	46	جنرل زائیونسٹ	7
ماپام	19	پروگریسو پارٹی	5
یونائیٹڈ ریلیجس فرنٹ	16	فائٹرز لسٹ	1

ہیروت موومنٹ	14	ماکائی	4
ڈیموکریٹک پارٹی آف نزارتھ (یہ ماپائی سے منسلک تھی)	2	سیفرڈم اور ایدوت آف دی مزراہ	4
ڈبلیو آئی زیڈ او WIZO		یمینائٹ ایسوسی ایشن	1

2006ء میں منتخب ہونے والی کنیسیٹ میں مختلف پارٹیوں کی حاصل کردہ نشستوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

قادیما	29	یونائیٹڈ تورہ جوڈاازم	6
لیبر	19	میریٹز یاہاد	5
شاس	12	یونائیٹڈ عرب لسٹ	4
لیکوڈ	12	ہادش	3
یسرائیل بیتنو	11	بلاد	3
نیشنل یونین/نیشنل ریلیجس پارٹی	9	گِل	7

دسواں باب

انتخابات اور اہم سیاسی پارٹیاں

○ متناسب نمائندگی کا انتخابی نظام ○ وزیرِ اعظم کے براہِ راست انتخاب کے تجربے کی ناکامی ○ ووٹ ڈالنے اور انتخابات میں حصہ لینے کی شرائط ○ اسرائیل کی اہم سیاسی پارٹیاں

متناسب نمائندگی کا انتخابی نظام

اسرائیل میں قومی فہرست کی بنیاد پر کنیسیٹ یعنی اسرائیلی پارلیمنٹ کے اراکین کا انتخاب متناسب نمائندگی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ کنیسیٹ کے اراکین کی تعداد ایک سو بیس ہوتی ہے، جنھیں چار سال کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ تاہم اسرائیل کی تاریخ میں کوئی انتخاب اپنے وقت پر نہیں بلکہ 4 سال سے پہلے ہی ہوا ہے۔ گزشتہ تمام کنیسیٹ میں سے صرف ایک کنیسیٹ نے اپنی میعاد پوری کی ہے۔ وقت سے پہلے انتخابات کے انعقاد کے لیے کنیسیٹ کے اراکین کا اکثریتی ووٹ یا صدارتی فرمان ضروری ہوتا ہے۔ عموماً جب اسرائیلی حکومت اپنی پالیسیوں کے لیے کنیسیٹ کی حمایت حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے یا ملک میں سیاسی جمود پیدا ہو جاتا ہے تو نئے انتخابات کروا دیئے جاتے ہیں۔ اگر کوئی حکومت مالی سال کے آغاز کے تین ماہ بعد یعنی 31 مارچ تک کنیسیٹ سے بجٹ منظور نہ کروا سکے تو وہ حکومت تحلیل ہو جاتی ہے اور وقت سے پہلے انتخابات کروائے جاتے ہیں۔

اسرائیلی انتخابی نظام میں کم سے کم 2 فی صد ووٹ لینے کے اصول کی وجہ سے دوسرے ملکوں کی نسبت اسرائیل میں چھوٹی پارٹیوں کو پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کرنے کا موقعہ زیادہ میسر آ جاتا ہے۔ اسرائیل میں کثیر جماعتی نظام (ملٹی پارٹی سسٹم) رائج ہے اور عموماً ایسا ہوتا ہے کہ صرف ایک پارٹی حکومت تشکیل نہیں دیتی اور مختلف پارٹیوں کو اتحاد بنا کر حکومت تشکیل دینا پڑتی ہے۔

وزیرِ اعظم کے براہِ راست انتخاب کے تجربے کی ناکامی

اسرائیل نے 1992ء میں وزیرِ اعظم کے براہِ راست انتخاب کا نظام اپنایا۔ 1976ء، 1999ء اور 2001ء میں وزیرِ اعظم کا انتخاب براہِ راست ہوا۔ تاہم 2001ء

کے بعد سے وزیرِاعظم کے براہِ راست انتخاب کے نظام کو ترک کر دیا گیا کیونکہ اس سے زیادہ مستحکم حکومتیں وجود پذیر نہیں ہو سکی تھیں بلکہ پارلیمنٹ میں سیاسی انتشار بڑھ گیا تھا۔

ووٹ ڈالنے اور انتخاب میں حصہ لینے کی شرائط

18 سال یا اس سے زیادہ عمر کا ہر اسرائیلی ووٹ دے سکتا ہے۔ 21 سال سے زیادہ عمر کا کوئی بھی اسرائیلی کنیسیٹ کا رکن منتخب ہو سکتا ہے۔ سول سرونٹس اور فوجی انتخاب میں حصہ نہیں لے سکتے۔ انہیں انتخاب میں حصہ لینے کے لیے اپنے عہدے سے مستعفی ہونا پڑتا ہے۔ تین ماہ سے زیادہ قید کی سزا پانے والے افراد بھی انتخاب میں حصہ نہیں لے سکتے۔ سزا یافتہ افراد اس صورت میں انتخاب میں حصہ لے سکتے ہیں کہ ان کی قید کی مدت کو پورا ہوئے سات سال کا عرصہ بیت چکا ہو۔

اسرائیل کی اہم سیاسی پارٹیاں

اسرائیل میں متناسب نمائندگی کا نظام رائج ہے جس کی وجہ سے اسرائیل میں بہت سی سیاسی پارٹیوں کو پنپنے کا موقعہ ملا ہے۔ متناسب نمائندگی کے نظام کی وجہ سے عموماً کوئی ایک پارٹی اقتدار حاصل نہیں کر سکتی ہے اور پارٹیوں کو اتحاد قائم کر کے حکومت تشکیل دینا پڑتی ہے۔

موجودہ کنیسیٹ اسرائیل کی سترہویں کنیسیٹ ہے۔ اس میں درج ذیل پارٹیوں کو نمائندگی حاصل ہے:

1۔ قادیما

2۔ لیبر (ہاایوودا)

3۔ شاس (سیفرڈی مذہبی پارٹی)

4۔ لیکوڈ

5۔ یسرائیل بیتنو (اسرائیل ہمارا وطن)

6۔ ہا ایہود ہالیومی مفدل

7۔ گل گملائی یسرائیل لاکنیسیٹ

8۔ یہادوت ہاتورہ (یونائیٹڈ تورہ جوڈازم) .... یہ اگودات اسرائیل (یونین آف اسرائیل) اور ڈیگل ہاتورہ (پرچم تورات) کا اتحاد تھا۔

9۔ میریتز یاہاد............ اس اتحاد میں میریتز اور شاہر (سویرا) پارٹیاں شامل تھیں۔

10۔ یونائیٹڈ عرب لسٹ (United Arad List)

11۔ ہادش .... اس تحاد میں کیمونسٹ پارٹی آف اسرائیل بھی شامل ہے۔ ہادش درج ذیل عبرانی نام کا مخفف ہے: Ha-Chazit Ha-Demokratik le-Shalom اس نام کا مطلب ہے "جمہوری محاذ برائے امن و مساوات" (Democrtic Front For Peace and Equality)

12۔ بلاد............ یہ عرب پارٹی ہے۔

درج ذیل پارٹیوں نے 17ویں کنیسیٹ کے لیے انتخاب میں حصہ لیا لیکن مطلوبہ 2فی صد ووٹ حاصل کرنے میں ناکام رہیں۔

1۔ شینوئی (تبدیلی)

2۔ میتز (Ha-Miflagah ha-Hilonit Tsiyyonit)

3۔ جیوئش نیشنل فرنٹ

4۔ ہیروت: دی نیشنل مومنٹ (آزادی)

5۔ ایل یاروک (سبز پتا)

6۔ اہاوات اسرائیل

7۔ سٹیزن اینڈ سٹیٹ

8۔ آرگنائزیشن فار ڈیموکریٹک ایکشن

9۔ ایڈوانسڈ نیشنل یونین

10۔ سینٹرسٹ پارٹی (Centrist Party)

11- سوشل جسٹس
12- ایک اور اسرائیل(Another Israel)
13- ایل ایچ وی اے
14- لیڈر
15- مینز رائٹس (Man's Rihgts)
16- مورشیت الیوت
17- نیشنل بالشویک پارٹی آف اسرائیل
18- تزومیت(Crossroads)
19- ہیڈ آرتسینو (International Hyperzionist Movement for the Motherland)
20- نیچرل لا پارٹی آف اسرائیل
21- ایتید ایہاد(One Future)
22- دی پارٹی فار دی وار اگینسٹ بینکس
23- طاقت غریبوں کے لیے(Strength to the Poor)
24- تافنیت۔

گیارھواں باب

نیشنل سکیورٹی کونسل،
اسرائیلی ڈیفنس فورسز (آئی ڈی ایف)
اور اسرائیلی انٹیلی جینس کمیونٹی

○ نیشنل سکیورٹی کونسل کب قائم ہوئی ○ نیشنل سکیورٹی کونسل کی ذمہ داریاں ○ نیشنل سکیورٹی کونسل کی ساخت ○ خفیہ ○ اسرائیل کی سلامتی و دفاع کے ذمہ دار ادارے ○ اسرائیلی ڈیفنس فورسز (آئی ڈی ایف) ○ اسرائیلی پولیس ○ بارڈر پولیس ماگاو ○ یمام اور سیام ○ سول گارڈ ○ شن بیت (داخلی سلامتی سروس) ○ موساد ○ ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری انٹیلی جینس ○ ایمرجنسی سروسز ○ میگن ڈیوڈ ایڈم ○ فائر فائٹنگ اینڈ ریسکیو سروس ○ ہوم فرنٹ کمانڈ ○ ذکا ○ یونٹ 669 ○ دیگر ادارے ○ اسرائیلی پرزن سروس ○ کنیسیٹ گارڈ

نیشنل سکیورٹی کونسل کب قائم ہوئی؟

اسرائیل میں نیشنل سکیورٹی کونسل 1999ء میں اس وقت کے وزیرِ اعظم بنجامن نیتن یاہو نے قائم کی تھی۔اس کے قیام کا فیصلہ "یوم کپور جنگ" سے سیکھے گئے اسباق کی بنیاد پر کیا گیا تھا۔نیشنل سکیورٹی کونسل وزیرِ اعظم کی طرف سے فراہم کردہ گائیڈ لائنز کے مطابق کام کرتی ہے۔واضح ہو کہ وزیرِ اعظم نیشنل سکیورٹی کونسل کی تجاویز کو ماننے کا پابند نہیں ہے۔

نیشنل سکیورٹی کونسل کی ذمہ داریاں

اسرائیلی نیشنل سکیورٹی کونسل کی دیگر ذمہ داریوں کے علاوہ درجِ ذیل ذمہ داریاں بھی ہیں:

☆ وزیرِ اعظم کو تزویراتی مشاورت (Strategic Advisement) مہیا کرنا۔

☆ حکومت کو سلامتی سے متعلق تجاویز دینا۔

☆ سلامتی سے متعلق ہتھیاروں کی تیاری، انسپکشن کی نگرانی اور سلامتی سے متعلق اداروں کے حوالے سے فیصلہ سازی کی نگرانی کرنا۔

☆ منتخب ملکوں کے قومی سلامتی سے متعلق اداروں کے ساتھ تعاون کرنا۔

نیشنل سکیورٹی کونسل کی ساخت

اسرائیلی نیشنل سکیورٹی کونسل پانچ شعبوں (wings) پر مشتمل ہے:

1۔ سکیورٹی پالیسی: اس کا سربراہ نائب وزیرِ اعظم ہوتا ہے

2۔ خارجہ پالیسی

3۔ سوسائٹی اور انفراسٹرکچر پالیسی

4۔ کاؤنٹر ٹیررازم

5۔ آرگنائزیشن اور آپریشنز

خفیہ

کونسل کے کام اور حد تو یہ ہے کہ اس کی لوکیشن تک کو خفیہ تصور کیا جاتا ہے اور انہیں عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔

اسرائیل کی سلامتی و دفاع کے ذمہ دار ادارے

کئی ادارے اسرائیل کی سلامتی و دفاع کے ذمہ دار ہیں۔ یہ ادارے آزاد ہیں لیکن ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ اس فہرست میں فوج، حکومتی ادارے، قانون نافذ کرنے والے ادارے، حکومتی اہلکار اور شہریوں کی رضا کار فرسٹ ایڈ تنظیمیں شامل ہیں، جنہیں ریاست اسرائیل مدد دیتی ہے۔

اسرائیل کے مرد شہریوں کے 18 سال کی عمر کو پہنچنے پر ان کے لیے تین سال فوجی ملازمت کرنا لازمی ہے جبکہ لڑکیوں کو دو سال لازمی فوجی ملازمت کرنا ہوتی ہے۔ اکثر اوقات مذہبی لڑکیاں بھی ایک متبادل سروس شیروت لیومی (Sheirut Leumi) میں خدمات انجام دیتی ہیں۔ بہت سے مذہبی لڑکے ہیسڈر پروگرام(Hesder Program) میں حصہ لیتے ہیں، جس کے تحت انہیں اپنی مذہبی تعلیم کے دوران ڈیڑھ سال کے لیے اسرائیل ڈیفنس فورسز (آئی ڈی ایف) میں خدمات انجام دینے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے بعد وہ کسی مذہبی تعلیمی ادارے یعنی یشیوا (Yeshiva) میں ڈھائی سال تک تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اسرائیلی عربوں کو فوج میں بھرتی نہیں کیا جاتا البتہ دروزوں، سرکیشیوں اور بعض بدو گروپوں کے مردوں کو فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے۔

اسرائیلی سکیورٹی فورسز میں درج ذیل ادارے شامل ہیں:

1۔ اسرائیل ڈیفنس فورسز

2۔ اسرائیل پولیس

3۔ انٹیلی جنس کمیونٹی

4۔ ایمرجنسی سروسز

5۔ دیگر ادارے

اسرائیل ڈیفنس فورسز (آئی ڈی ایف)

آئی ڈی ایف بری، بحری اور فضائی فورسز پر مشتمل ہیں اور اسرائیل کو غیر ملکی افواج اور دہشت گردوں کے حملوں سے بچانے کے لیے بنائی گئی ہیں۔آئی ڈی ایف کے ایلیٹ یونٹس سایریت (Sayeret) کہلاتے ہیں۔سب سے زیادہ مشہور سایریت یونٹس ''سایریت متکال'' اور ''شائتیت۔13'' ہیں۔

آئی ڈی ایف کی انٹیلی جنس برانچ کو''امان'' کہا جاتا ہے۔اس کے علاوہ آئی ڈی ایف انفنٹری بریگیڈ (پیراٹرپرو بریگیڈ، گولانی بریگیڈ، گیواتی بریگیڈ، ناہال بریگیڈ اور میکانائزڈ انفنٹری)، آرمرڈ کور اور آرٹلری کور، اسرائیلی انجینئرنگ کور، اسرائیلی ایئر فورس اور اسرائیلی نیوی پر مشتمل ہے۔

اسرائیلی پولیس

یہ ایک سویلین (غیر فوجی) فورس ہے۔ دنیا کی بیشتر پولیس فورسز کی طرح ''اسرائیل پولیس'' کے فرائض میں شامل ہے:

جرائم کی روک تھام، ٹریفک کنٹرول اور تحفظِ عامہ۔

بارڈر پولیس (ماگاو Magav)

یہ اسرائیلی پولیس کا لڑاکا بازو ہے۔ بارڈر پولیس کے جوانوں کو آئی ڈی ایف

اعلیٰ درجے کی انفنٹری تربیت دیتی ہے تاہم وہ پولیس کے ماتحت رہ کر خدمات انجام دیتی ہے۔انہیں غربی کنارے اور مضافات میں متعین کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ انہیں اسرائیل کی سرحدوں پر متعین کیا گیا ہے۔

یمام (خصوصی پولیس یونٹ Yamam) اور
یسام (خصوصی گشتی یونٹ Yassam)

یہ ایلیٹ کاؤنٹر ٹیررازم یونٹ ہیں۔

سول گارڈ

یہ شہریوں کی ایک رضا کار تنظیم ہے، جو پولیس کے روزمرہ کے کاموں میں معاونت کرتی ہے۔اس کے اراکین کسی سکیورٹی صورتِ حال میں پولیس کے آنے تک ہنگامی خدمات انجام دیتے ہیں۔سول گارڈ کے اراکین ایم 4 کاربین اور ذاتی ہینڈ گن سے مسلح ہوتے ہیں۔سول گارڈ میں خصوصی یونٹ بھی ہیں، جن کے اراکین کے لیے اضافی تربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔

☆ شِن بیت (Shin Bet) داخلی سلامتی سروس

وزیروں اور اعلیٰ حُکام کا تحفظ شِن بیت کی ذمہ داری ہے۔اس کے علاوہ وہ دہشت گردوں کو کھوجتی ہے اور انہیں دہشت گردی کے ارتکاب سے روکتی ہے۔شن بیت کی سرگرمیاں خفیہ رکھی جاتی ہیں۔

☆ موساد

اسے عبرانی میں ”ہاموساد لی مودین اولے تافکیدیم میوہادیم“ کہا جاتا ہے۔
جس کا انگریزی مترادف ہے: ”دی انسٹی ٹیوٹ آف انٹیلی جینس اینڈ سپیشل ٹاسکس۔“
موساد خفیہ اطلاعات اکٹھی کرتی ہے، خفیہ اقدامات کرتی ہے، جن میں پیرا ملٹری سرگرمیاں اور سیاسی قتل (Assassinations) بھی شامل ہیں۔نیز کاؤنٹر ٹیررازم کا فریضہ بھی ادا

کرتی ہے۔

☆ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری انٹیلی جینس

ایمرجنسی سروسز

1۔ میگن ڈیوڈ ایڈم (Magen David Adom)

یہ اسرائیلی کی ابتدائی طبی امداد (فرسٹ ایڈ) کی تنظیم ہے، جو ہنگامی طبی امداد فراہم کرتی ہے، ایمبولینس سروس مہیا کرتی ہے اور بلڈ بینک چلاتی ہے۔ اس کے نام کا مطلب ہے "(حضرت) داؤد علیہ السلام کا سُرخ ستارہ۔" (Red Star of David)

2۔ فائر فائٹنگ اینڈ ریسکیو سروس

یہ آگ بجھانے کا کام کرتی ہے نیز لوگوں کو آتش زدہ عمارتوں سے نکالنے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اس کے کام کا دائرہ ایلیویٹروں میں پھنسے ہوئے لوگوں سے لے کر منہدم ہو جانے والی عمارتوں میں دبے ہوئے لوگوں کو نکالنے تک وسیع ہے۔

3۔ ہوم فرنٹ کمانڈ

یہ ایک ملٹری ریسکیو ٹیم ہے، جو کہ آئی ڈی ایف کا حصہ ہے۔ اس کا کام بڑے پیمانے پر ہونے والی تباہی مثلاً زلزلوں، عمارتوں کے منہدم ہو جانے اور شہروں پر میزائیل حملے وغیرہ کی صورت میں لوگوں کی مدد کرنا۔

4۔ ذکا (Zaka)

اسے عبرانی میں ہیسیڈ شیل ایمیٹ (Hessed Shel Emet) کہتے ہیں۔ یہ ایک رضا کار تنظیم ہے جس کے بیشتر اراکین ہیریڈی یہودی ہیں۔ یہ تنظیم کسی حادثے یا

تباہی کے بعد مرنے والوں کے بکھرے ہوئے اعضا یکجا کرتی ہے اور انہیں یہودیت کے احکامات کے مطابق دفن کرتی ہے۔ ''ذکا'' اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے کافی مثبت شہرت حاصل کر چکی ہے۔ اس تنظیم کے بانی یہودا میشی ذاہاو تھے۔ ''ذکا'' لاشوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑے یکجا کرنے کے علاوہ ابتدائی طبی امداد بھی فراہم کرتی ہے اور گم ہو جانے والے افراد کو ڈھونڈنے میں بھی مدد دیتی ہے۔

5۔ یونٹ 669

یہ اسرائیلی ایئر فورس کا امدادی یونٹ ہے۔

ان کے علاوہ گیلیلی، جولان کی پہاڑیوں (Golan Hieghts) اور نجف میں الگ الگ مقامی ریسکیو ٹیمیں کام کر رہی ہیں۔

دیگر ادارے

1۔ اسرائیلی پرزن سروس (Israel Prison Service)

''اسرائیلی پرزن سروس'' جیلوں کی حفاظت کا فریضہ ادا کرتی ہے اور قیدیوں کے جیل سے فرار ہونے کی راہیں مسدود کرنے کا انتظام کرتی ہے۔ اسے جیلوں میں ہونے والی بغاوتوں سے نمٹنے کی خصوصی تربیت دی گئی ہے۔

2۔ کنیسیٹ گارڈ

اس تنظیم کا فریضہ اسرائیلی پارلیمنٹ کنیسیٹ کی حفاظت ہے۔ اس کے کمانڈر کو سارجنٹ ایٹ آرمز (کاترین ہاکنیسیٹ) کہا جاتا ہے۔

اسرائیلی انٹیلی جینس کمیونٹی

اسرائیلی انٹیلی جینس کمیونٹی ریاست اسرائیل کے لیے سراغ رسانی اور تحقیق کرنے والے اداروں پر مشتمل ہے۔ان اداروں کے نام درج ذیل ہیں:

امان(Aman)

یہ اسرائیلی ڈیفنس فورسز کی سپریم ملٹری انٹیلی جینس برانچ ہے۔

ایئر انٹیلی جینس ڈائریکٹوریٹ

یہ اسرائیلی ایئرفورس کا انٹیلی جینس یونٹ ہے۔

نیول انٹیلی جینس ڈیپارٹمنٹ

یہ اسرائیلی بحری کور کا انٹیلی جینس یونٹ ہے۔

انٹیلی جینس کور

آئی ڈی ایف کا حصہ ہے اور خفیہ معلومات کو یکجا کرنے اور ان کے تجزیے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔

فیلڈ انٹیلی جینس کور

جی او سی آرمی ہیڈکوارٹر کا انٹیلی جینس یونٹ ہے۔

ریجنل کمانڈز کے انٹیلی جینس یونٹ

یہ وسطی، جنوبی اور ہوم فرنٹ کمانڈز کے انٹیلی جینس یونٹ ہیں۔

موساد

یہ ایجنسی غیر ممالک میں جاسوسی کا فریضہ انجام دیتی ہے۔

شابک

یہ ادارہ داخلی سلامتی کا ذمہ دار ہے۔

انٹیلی جینس برانچ آف دی اسرائیلی پولیس

اسرائیلی پولیس کی برانچ ہے۔

سینٹر فار پولیٹیکل ریسرچ

یہ خارجہ امور کی وزارت کی انٹیلی جینس برانچ ہے۔

ناتیو

اس ادارے کو سوویت یونین اور سوویت بلاک کے ملکوں سے یہودیوں کو اسرائیل لانے کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد اسے بھی تحلیل کر کے وزیر اعظم کے دفتر کا حصہ بنا دیا گیا تھا۔

لیکم

یہ ایجنسی خفیہ ٹیکنالوجی حاصل کرنے اور اس کے تحفظ کی ذمہ دار تھی۔ اسے تحلیل کر دیا گیا ہے۔

پارلیمانی نگرانی

اسرائیلی انٹیلی جینس کمیونٹی کی پارلیمانی نگرانی کا فریضہ ''ذیلی کمیٹی برائے انٹیلی جینس اور سیکرٹ سروسز'' انجام دیتی ہے، جو کہ تمام اسرائیلی سیکیورٹی فورسز کی پارلیمانی نگرانی کرنے والی ''سیکیورٹی اینڈ فارن افیئرز کمیٹی'' کی ذیلی کمیٹی ہے۔

موساد

ریاستِ اسرائیل کے قیام کے اعلان سے پہلے یہودی کمیونٹی میں متعدد زیرِ زمین (Underground)اور نیم زیرِ زمین (Semi-Underground) تنظیمیں کام کر رہی تھیں۔فطری بات ہے کہ انہیں اپنے آپریشنز کے لیے معلومات واطلاعات کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہودی کمیونٹی کی، جسے عبرانی میں یشو (Yishu) کہتے تھے، سب سے بڑی ملٹری فورس ہگاناہ نے اس مقصد کے لیے شائی(Shai) قائم کی۔اس کا پورا نام شیروت یدیوت(Sherut Yediot) تھا، جس کا مطلب ہے "انفارمیشن سروس۔" شائی کا کام ہگاناکے آپریشنوں کے لیے درکار معلومات واطلاعات کا حصول تھا۔ریاستِ اسرائیل کے قیام سے پہلے ہی شائی بہت مضبوط و مستحکم ہو چکی تھی اور اس کے سربراہوں میں اِسّر ہیرل (Isser Harel) بھی شامل تھا، جو بعد میں اسرائیلی سکیورٹی سروس شن بیت (Shin Bet)اور موساد(Mossad) کا سربراہ بھی بنا۔ ہگاناہ کے علاوہ دوسری تنظیموں نے بھی اپنی ضروریات کے تحت انٹیلی جنس سروسز قائم کر رکھی تھیں۔

ریاستِ اسرائیل کے قیام کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک انٹیلی جنس انفراسٹرکچر قائم کیا جائے۔ چنانچہ جون 1948ء میں وزیرِ اعظم ڈیوڈ بن گوریان (David Ben Goryan) نے تین انٹیلی جنس سروسز قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ شائی کو سلامتی، سنسر شپ اور کاؤنٹر انٹیلی جنس کی ذمہ داری دی گئی، ایک داخلی انفارمیشن سروس اور ایک خارجی پولیٹیکل انفارمیشن سروس قائم کی گئی۔ خارجی پولیٹیکل انفارمیشن سروس نے ریوین شیلواہ(Reuven Shiloah) کی قیادت میں ترکی جیسے غیر عرب مسلمان ملکوں سے تعلقات قائم کرنے کی کوششیں شروع کیں۔شائی نے ہائیم بن مینا ہیم کی سربراہی میں پیرس میں ایک سٹیشن قائم کیا۔اس سٹیشن کو دا آت(Da'at) یعنی "علم"(Knowledge) کا نام دیا گیا تھا۔

13 دسمبر 1949ء کو بین گوریان نے ''موساد'' قائم کی۔ یہ وزارتِ خارجہ کے تحت کام کرتی تھی۔ مارچ 1951ء میں بن گوریان نے اسے ایک الگ ادارہ بنا دیا۔ غیر ملکی انٹیلی جنس معاملات نمٹانے کے لیے موساد کا ایک شعبہ بنایا گیا، جسے ''اتھارٹی'' کا نام دیا گیا اب موساد وزارتِ خارجہ کی بجائے براہِ راست وزیرِ اعظم کو جواب دہ ہوگئی اور وزیرِ اعظم کے دفتر کا حصہ بن گئی۔

بارھواں باب

اسرائیلی پولیس

○ مشترت یسرائیل ○ تنظیمی ڈھانچہ ○ ہیڈکوارٹر یونٹس ○ ڈیپارٹمینٹس ○ اسرائیلی پولیس کی ضلع وار تقسیم ○ آپریشنل یونٹس ○ بارڈر پولیس ○ یمام ○ یسّام ○ ہتھیار ○ نان کمبیٹ رائفلو ○ اسالٹ رائفلز (کمبیٹ) ○ سنائپر رائفلو ○ ہینڈ گنز ○ غیر مہلک ہتھیار

مشترت یسرائیل

اسرائیلی پولیس، جسے عبرانی میں مشترت یسرائیل کہتے ہیں، ریاستِ اسرائیل کی ایک غیر فوجی (سویلین) فورس ہے۔ دنیا کی دوسری پولیس فورسز کی طرح اس کے فرائض میں شامل ہیں: جرائم کی روک تھام، ٹریفک کنٹرول اور تحفظِ عامہ۔

اگر اسرائیل کا کوئی شہری کسی ہنگامی حالت سے دوچار ہو جائے تو وہ کسی بھی فون سے 100 ڈائل کر کے پولیس کو مدد کے لیے بلا سکتا ہے۔ اس کال کے کوئی چارجز نہیں ہوتے۔

تنظیمی ڈھانچہ

اسرائیلی پولیس ایک پروفیشنل فورس ہے۔ اس میں تقریباً 30000 ہزار تنخواہ یافتہ آفیسرز کام کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ 7000 کے لگ بھگ ''سول گارڈ'' ہیں، جنہیں عبرانی میں ''ماشاز'' کہتے ہیں۔ ''ماشاز'' اپنے اپنے علاقوں میں رضا کارانہ طور پر پولیس کی معاونت کرتے ہیں۔

اسرائیلی پولیس کو درجِ ذیل بڑے گروپ میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ہیڈ کوارٹر یونٹس

- ☆ انٹرنیشنل ریلیشنز
- ☆ لیگل کونسل
- ☆ امیگریشن کنٹرول
- ☆ آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس
- ☆ معاشی جرائم
- ☆ عوامی شکایات

☆ ڈسپلنری کورٹ
☆ سروس ایڈمنسٹریشن
☆ سیفٹی
☆ اپیلز
☆ کنٹرولر
☆ ترجمان

ڈیپارٹمینٹس

اسرائیلی پولیس میں درجِ ذیل ڈیپارٹمینٹس ہیں:

☆ ہیومین ریسورسز
☆ تفتیش اورانٹیلی جینس
☆ لاجسٹک سپورٹ
☆ آرگنائزیشن اینڈ پلاننگ
☆ ٹریفک
☆ پیٹرول اینڈ سکیورٹی
☆ کمیونٹی اینڈ سول گارڈ

اسرائیلی پولیس کی ضلع وار تقسیم

اسرائیلی پولیس کو درجِ ذیل 6 ریجنل ڈسٹرکٹس میں منقسم کیا گیا ہے:

☆ وسطی ضلع
☆ جنوبی ضلع
☆ شمالی ضلع
☆ جوڈیا اور سماریا
☆ تل ابیب
☆ یروشلم

آپریشنل یونٹس

اسرائیلی پولیس کے آپریشنل یونٹس درجِ ذیل ہیں:

بارڈر پولیس

اسے عبرانی میں ''ماگاو'' (Magav) کہتے ہیں۔ یہ اسرائیلی پولیس کا عسکری بازو ہے اور اسے شورش زدہ علاقوں میں متعین کیا جاتا ہے۔ بارڈر پولیس کو ملکی سرحدوں، غربی

کنارے اور مضافاتی علاقوں میں متعین کیا گیا ہے۔ بارڈر پولیس میں تنخواہ دار پروفیشنل آفیسرز بھی خدمات انجام دیتے ہیں اور آئی ڈی ایف میں تین سالہ لازمی خدمات انجام دینے والوں کو بھی بارڈر پولیس میں بھیجا جاتا ہے۔

یمام (Yamam)

یہ اسرائیلی پولیس کا ایلیٹ کاؤنٹر ٹیرر ہوسٹیج یونٹ (Elite Counter Terror Hostage Unite) ہے۔ اسے دنیا کا ایک انتہائی تجربہ کار اور سپیشلائزڈ یونٹ مانا جاتا ہے۔ یہ یونٹ اسرائیل میں اور اسرائیل کی سرحدوں سے باہر سینکڑوں آپریشنز میں حصہ لے چکا ہے۔

یسام (Yassam)

یہ اسرائیلی پولیس کا خصوصی گشتی یونٹ ہے۔ اسے ہر ڈسٹرکٹ میں متعین کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کاؤنٹر ٹیرر یونٹ ہے۔ اس یونٹ کو ابتدا میں تو ''بلوہ پولیس'' (Riot Police) کے طور پر تشکیل دیا گیا تھا تاہم بعد میں سے کاؤنٹر ٹیرر آپریشنز میں معاونت کے لیے بھی بلایا جانے لگا۔ اسے ہر وقت تیار رہنے والی ''موسٹ ایلیٹ فورس'' کی شہرت ہے، جو کہ ایکشن کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔ یسام کے ذیلی یونٹس ''ریپڈ ریسپانس موٹر سائیکل یونٹس'' (Rapid Response Motorcycle Unites) ہیں۔

ہتھیار

اسرائیلی پولیس آفیسرز کو ڈیوٹی کے دوران آتشیں اسلحہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیلی پولیس کے فرائض میں دہشت گردی کی روک تھام بھی شامل ہے اور ہر آفیسر میں اس اہلیت کا ہونا لازمی ہوتا ہے کہ وہ کسی دہشت گردانہ حملے کی صورت میں ہنگامی ری ایکشن کر سکے۔

ہر پولیس آفیسر، خواہ وہ مرد ہو یا عورت ایک پستول سے مسلح ہوتا ہے، جسے وہ

ڈیوٹی کے بعد گھر بھی لے جا سکتا/سکتی ہے۔اس کے علاوہ ہر پیٹرول کار میں ایک رائفل کا ہونا لازمی ہے۔ پولیس رضا کار عموماً ایک ایم ون کاربین سے مسلح ہوتے ہیں، جسے وہ ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد پولیس کے اسلحہ خانے میں جمع کروا دیتے ہیں۔ (وہ رائفل کو گھر نہیں لے جا سکتے تاہم گشت پر جاتے وقت اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں) جن رضا کاروں کے پاس اسلحہ لائسنس ہوتا ہے، وہ پولیس ڈیوٹی کے دوران اپنے تحفظ کی غرض سے ذاتی ہینڈ گن بھی رکھ سکتے ہیں۔ تاہم انہیں صرف 9 ایم ایم کی گن رکھنے کی اجازت ہوتی ہے، جو کہ اسرائیلی قانون کے مطابق ممنوعہ ہتھیار نہیں ہے۔ کسی پولیس رضا کار کو ممنوعہ ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اسرائیلی پولیس آفیسرز کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے بھاری اسلحہ مثلاً اسالٹ رائفلز، سنائپر رائفلز اور غیر مہلک اسلحہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے، تاہم وہ اس اسلحے کو ذاتی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔

بارڈر پولیس مین ایک سٹینڈرڈ پرسنل ویپن کے طور پر ایم 16 اسالٹ رائفل سے مسلح ہوتے ہیں اور ڈیوٹی کے بعد اسے گھر لے جا سکتے ہیں (جیسا کہ اسرائیلی ڈیفنس فورس میں انفینٹری کے باقاعدہ ملازموں کو اجازت ہوتی ہے۔)

اسرائیلی پولیس اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران درج ذیل ہتھیار استعمال کرتی ہے:۔

نان کمبیٹ رائفلز

☆ ایم ون کاربین (اسے ''ماشاز'' یعنی سول گارڈ بھی استعمال کرتے ہیں۔)

☆ ایم ون اے ون کاربین۔

☆ ایم ون کاربین بل پپ (Bullpup)

☆ مائیکرو گیلیل 5.56 ایم ایم سب مشین گن۔

اسالٹ رائفلز (کمبیٹ)

☆ ایم16 اسالٹ رائفل

☆ کولٹ کمانڈو

☆ سی اے آر15

☆ ایم4 کاربین

☆ گیلیل اسالٹ رائفل

سنائپر رائفلز

☆ ماؤزر ایس پی66

☆ ماؤزر کے98

☆ ایم14 (رائفل)

☆ گالاٹز (گیلیل سنائپر ورژن)

ہینڈ گنز

☆ آئی ایم آئی جیریکو941

☆ بیریٹا22LR-71

☆ براؤننگ ہائی پاور

☆ گلوک17 (یہ صرف یمام اور دوسرے خصوصی یونٹس کے پاس ہوتا ہے۔)

غیر مہلک ہتھیار

☆ لاٹھی

☆ آنسو گیس کے بم

☆ فلیش گرینیڈز

☆ ربڑ کوٹڈ گولیاں

☆ سُرخ مرچوں کا سپرے

۞............۞............۞

تیرھواں باب

اسرائیلی بارڈر فورس

○ مشمار ہاگوول ○ اسرائیلی بارڈر فورس کی تاریخ ○ کفر قاسم قتلِ عام ○ یکیدات شائی ○ شیتو رکفری ○ سپیشل فورس یونٹس

مِشمار ہاگوول

اسرائیلی بارڈ فورس، جسے عبرانی میں مِشمار ہاگوول کہتے ہیں، اسرائیلی پولیس کی لڑاکا شاخ ہے۔ یہ اپنے عبرانی مخفف ''ماگاؤ'' سے مشہور ہے، جس کا مطلب ہے ''سرحدی محافظ۔''

اسرائیلی بارڈر فورس کی تاریخ

اسرائیلی بارڈر فورس کو 1949ء میں آئی ڈی ایف کے تحت فرنٹیئر کور کے طور پر تشکیل دیا گیا تھا، جس کا فرض سرحدوں اور دیہاتی علاقوں میں سکیورٹی فراہم کرنا تھا۔ بعد میں اسے بتدریج پولیس کی کمان میں دے دیا گیا اور اسے بارڈر پولیس کا نام دیا گیا۔

کفر قاسم قتلِ عام

1956ء کی ''سویز وار'' کے دوران کفر قاسم قتلِ عام کا المناک واقعہ رونما ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جنگ کے دوسرے دن ایک اسرائیلی عرب بستی کے کسان اپنے کھیتوں کو جا رہے تھے۔ فوج نے کرفیو لگا رکھا تھا لیکن ان کسانوں کو اس کی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ بارڈر پولیس کے اہل کاروں نے معصوم کسانوں پر کرفیو کی خلاف ورزی کے الزام میں فائر کھول دیا، جس سے 49 کسان ہلاک ہو گئے۔

اس المناک واقعے پر اسرائیلی عوام نے سخت احتجاج کیا، جس پر اسرائیلی سپریم کورٹ نے تاریخ ساز رُولنگ دی کہ واضح طور پر غیر قانونی احکامات کو بجا نہ لانا سپاہیوں کا فرض ہے۔

1967ء کی چھ روزہ جنگ کے دوران بارڈر پولیس نے آئی ڈی ایف کے شانہ

بشانہ جنگ میں حصہ لیا۔ جنگ کے بعد اسے غربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں متعین کر دیا گیا اور ملٹری انتظامیہ کی جانب سے لا اینڈ آرڈر برقرار رکھنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ اس وقت سے بارڈر پولیس زیادہ تر انہی علاقوں میں فرائض انجام دے رہی ہے۔

1974ء میں کاؤنٹر ٹیرر یونٹ ''یمام'' تشکیل دیا گیا۔

2005ء میں بارڈر پولیس نے یہودی آبادکاروں کو عرب علاقوں سے نکالنے کا کام انجام دیا۔

یکیدات شائی

اسے جنوری 2006ء میں قائم کیا گیا۔ اس کے تمام اہل کار رضا کار ہیں، جو دن میں اپنے کام کرتے ہیں اور رات کو اس لڑا کا یونٹ میں ڈیوٹی دیتے ہیں۔ آئی ڈی ایف سے منسوب بہت سے ایسے آپریشن یکیدات شائی اور بارڈر گارڈ نے کیے ہیں، جن میں اونچی سطح کے لوگوں کو گرفتار کیا گیا تھا۔ یکیدات شائی کے رضا کاروں کو تنخواہ نہیں ملتی، اس کے باوجود دور دراز کے شہروں سے اسرائیلی اس کے لیے خدمات سرانجام دینے آتے ہیں۔

بارڈر پولیس تنخواہ دار پروفیشنل آفیسرز کے علاوہ ایسے پولیس مین (Policemen) پر مشتمل ہے، جنہیں آئی ڈی ایف سے بھیجا جاتا ہے۔ اسرائیل کے ہر 18 سالہ مرد شہری پر لازم ہے کہ وہ آئی ڈی ایف میں تین سال خدمات انجام دے۔ ایسے نوجوانوں کو یہ انتخاب کرنے کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ آئی ڈی ایف کی بجائے بارڈر پولیس میں خدمات انجام دیں۔ بارڈر پولیس کے تمام جوانوں کو جنگ کی تربیت دی جاتی ہے، اس کے علاوہ انہیں سی ٹی یعنی کاؤنٹر ٹیرر، بلوہ کنٹرول اور پولیس ورک کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ اچھی کارکردگی دکھانے والے پولیس مین خصوصی شعبوں کی تربیت بھی لے سکتے ہیں۔

جنگی تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے بارڈر پولیس کے جوانوں کو شورش زدہ علاقوں میں متعین کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جن علاقوں میں پُر تشدد اور دہشت گردانہ کارروائیوں کا خطرہ ہو، وہاں بھی بارڈر پولیس کو متعین کیا جاتا ہے۔ بارڈر پولیس کو زیادہ تر

مضافاتی علاقوں، عرب بستیوں اور قصبوں میں ریگولر پولیس کے علاوہ متعین کیا جاتا ہے۔

شیتو رکفری

بارڈر پولیس کے دیہی علاقوں میں متعین یونٹس کو "شیتو رکفری" کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے دیہی پولیس۔ دیہی پولیس کو دیہاتوں میں متعین کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ "کمیونٹی سکیورٹی کوآرڈینیٹرز" بھی، جنہیں عبرانی میں "رَبش" کہا جاتا ہے، بارڈر پولیس کا حصہ ہیں۔ دیہی پولیس مین کل وقتی پروفیشنل آفیسرز ہوتے ہیں جبکہ سکیورٹی کوآرڈینیٹرز کل وقتی بھی ہوتے ہیں اور جزوقتی بھی۔

سپیشل فورس یونٹس

بارڈر پولیس کے چار ایس ایف یونٹس ہیں:

(1) یمام (2) یماس

(3) یماگ (4) متیلان

چودھواں باب

اسرائیل کا ایٹمی پروگرام

○ ایٹمی ہتھیار ○ کیمیائی ہتھیار ○ حیاتیاتی ہتھیار

ایٹمی ہتھیار

اسرائیلی حکومت سرکاری طور پر اس امر کی نہ تصدیق کرتی ہے نہ تردید کہ اسرائیل ایٹمی پروگرام چلا رہا ہے۔ اسرائیل نے غیر سرکاری طور پر (لیکن سختی سے) ''ارادی ابہام کی پالیسی'' (Policy of Deliberate Ambiguity) اپنا رکھی ہے۔ اس حوالے سے وہ صرف اتنا کہتا ہے کہ وہ ''مشرقِ وسطیٰ میں ایٹمی ہتھیار متعارف'' کرانے والا پہلا ملک نہیں ہوگا۔ اسرائیل ان تین خودمختار، قومی ریاستوں میں سے ایک ہے، جن کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں لیکن جنھوں نے ''نیوکلیئر نان پرولی فیریشن ٹریٹی (Nuclear Non-Proliferation Treaty-NPT) پر دستخط نہیں کیے۔ باقی دو ملک ہیں ہندوستان اور پاکستان۔

اسرائیل کو اپنے ایٹمی پروگرام کے لیے دوسرے ملکوں سے مدد ملتی رہی ہے۔ سویز بحران کے بعد 1956ء میں فرانس نے اسرائیل کے ساتھ اسرائیلی علاقے ڈیمونا (Dimona) کے قریب ایک نیوکلیئر ری ایکٹر اور ری پروسیسنگ پلانٹ لگانے کا معاہدہ کیا۔ اس پلانٹ میں بھاری پانی سے معتدل شدہ قدرتی یورینیم استعمال کی جاتی ہے۔ پلوٹونیم پروڈکشن 1964ء میں شروع ہوئی۔ بی بی سی نیوز نائٹ کی حاصل کردہ انتہائی خفیہ (ٹاپ سیکرٹ) برطانوی دستاویزات سے پتا چلا ہے کہ برطانیہ نے 1950ء کی دہائی سے لے کر 1960ء کی دہائی کے دوران اسرائیل کو خفیہ طور پر ممنوعہ مواد فراہم کیا۔ برطانیہ نے اسرائیل کو 1959ء میں یورینیم 235 اور 1966ء میں پلوٹونیم فراہم کی۔ اس کے علاوہ اس نے انتہائی افزودہ لیتھیئم اسرائیل کو فراہم کی، جو کہ ایٹم بموں اور فیول ہائیڈروجن بموں کو زیادہ ہلاکت انگیز بنانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ تحقیق سے یہ بھی پتا چلا کہ برطانیہ نے 1959ء اور 1960ء میں ڈیمونا ری ایکٹر کو شروع کرنے کے لیے 20 ٹن بھاری پانی بھی اسرائیل کو بھیجا تھا۔ یہ سودا ناروے کی ایک فرنٹ کمپنی ''نورایٹم'' (Noratom) کے ذریعے ہوا تھا، جس نے کل رقم کا 2 فی صد کمیشن کے طور پر وصول کیا تھا۔ جب 2005ء میں بی بی سی نیوز نائٹ نے یہ انکشاف کیا تو انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی (IAEA) نے

بھاری پانی اسرائیل کوفراہم کرنے پر برطانیہ سے تفتیش کی تھی۔ برطانوی وزیر خارجہ کم ہوویلز نے کہا کہ یہ سوداتو ناروے سے کیا گیا تھا۔ تاہم اس زمانے میں اس معاملے کی تفتیش کرنے والے ایک سابق برطانوی انٹیلی جینس افسر نے تصدیق کی کہ یہ سودا حقیقتاً اسرائیل کے ساتھ کیا گیا تھا اور ''نورا یٹم'' کے ذریعے ناروے سے کیا جانے والا سودا محض دھوکا تھا۔ آخر مارچ 2006ء میں دفترِ خارجہ نے سرکاری طور پر تسلیم کیا کہ برطانیہ کوعلم تھا کہ بھاری پانی کی آخری منزل اسرائیل ہے۔

1961ء میں اسرائیلی وزیرِ اعظم ڈیوڈ بن گوریان نے کینیڈین وزیرِ اعظم جان ڈائفن بیکر کو بتایا تھا کہ دیمونا میں ایک ''پائلٹ پلوٹونیم سپریشن پلانٹ'' (Pilot Plotonium Separation Plant) تعمیر کیا جائے گا۔ برطانوی انٹیلی جینس نے اس اور دیگر اطلاعات سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل ایٹمی ہتھیار بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔'' 1969ء میں امریکی وزیرِ دفاع میلون لیرڈ کو یقین تھا کہ اسرائیل اس سال ایٹمی ہتھیار تیار کر سکتا ہے۔ پھر اسی سال امریکی صدر نکسن نے اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا مائیر سے ملاقات میں انہیں تاکید کی کہ ''اسرائیل کو نہ تو ایٹمی ہتھیاروں کا دکھائی دینے والا تعارف (Visible Introduction) کروانا چاہیے اور نہ ہی نیوکلیئر ٹیسٹ پروگرام شروع کرنا چاہیے'' اور ایٹمی ابہام (Nuclear Ambiguity) کی پالیسی برقرار رکھنی چاہیے۔

5 اکتوبر 1986ء کو برطانوی اخبار ''دی سنڈے ٹائمز'' نے صفحۂ اوّل (فرنٹ پیج) پر ''اسرائیل کے ایٹمی اسلحہ خانے کا راز فاش'' (Revealed the Secrets of Israel's Nuclear Arsenal) کی شہ سرخی کے ساتھ ایک خبر شائع کی۔ اس طرح اسرائیل کی ایٹمی صلاحیت کا راز سب سے پہلے سنڈے ٹائمز نے فاش کیا تھا۔ یہ خبر اسرائیلی علاقے دیمونا کے جنوب میں صحرائے نجف میں واقع نجف نیوکلیئر ریسرچ سینٹر کے سابق ملازم مورڈیکائی وینونو کی فراہم کردہ اطلاعات کی بنیاد پر شائع کی گئی تھی۔ اسرائیل میں اسے سرکاری راز فاش کرنے پر غداری اور جاسوسی کے الزامات کے تحت 18 سال قید کی سزا دی گئی۔ اگرچہ وینونو کے انکشافات سے پہلے ہی لوگوں کو اندازہ تھا کہ دیمونا میں ایٹمی ہتھیار بنائے جا رہے ہیں تاہم اس کی فراہم کردہ اطلاعات سے پتا چلا کہ اسرائیل نے تھرمونیوکلیئر

ہتھیار بھی بنا لیے ہیں۔

1998ء میں سابق اسرائیلی وزیرِ اعظم شمعون پیریز نے کہا کہ اسرائیل نے ''ایک نیوکلیئر آپشن تیار کیا ہے لیکن ہیروشیما کے لیے نہیں بلکہ اوسلو کے لیے۔'' (ہیروشیما سے مراد دوسری عالمی جنگ کے دوران ہیروشیما اور ناگاساکی پر ہونے والا ایٹمی حملہ تھا جبکہ اوسلو سے مراد اوسلو معاہدہ تھا)۔ ''نیوکلیئر آپشن'' سے ایک ایٹمی ہتھیار مراد ہو سکتی ہے یا دیمونا کے قریب واقع نیوکلیئر ری ایکٹر، جس کے حوالے سے اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ وہاں سائنسی تحقیق کی جا رہی ہے۔ یاد رہے شمعون پیریز 1950ء کی دہائی میں اسرائیلی وزارتِ دفاع کے ڈائریکٹر جنرل ہونے کی حیثیت میں اسرائیل کے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے ذمہ دار تھے۔

نیوکلیئر تھریٹ اِنیشی ایٹو (Nuclear Threat Initiative) نے وینونو کی اطلاعات کی بنیاد پر کہا ہے کہ اسرائیل کے پاس 100 سے 200 کے لگ بھگ ایٹم بم ہیں جبکہ اس کے پاس جیریکو میزائل ڈیلیوری سسٹم بھی ہے۔ صحافی اوون سکاربورو نے 2004ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب Rumsfeld's War:The Untold Story of America's Anti-Terrorist Commander میں امریکہ کی ''ڈیفنس انٹیلی جینس ایجنسی'' کی ایک رپورٹ شائع کی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ اسرائیل کے پاس 82 ایٹم بم ہیں۔ 1990ء کی دہائی کے اواخر میں امریکی انٹیلی جینس ذرائع نے بتایا کہ اسرائیل کے پاس 75 سے 130 تک ایٹم بم ہیں۔

1999ء سے اسرائیل کے پاس جرمن ساختہ تین ڈولفن کلاس آبدوزیں ہیں۔ مختلف رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ ان آبدوزوں میں امریکہ ساختہ ہارپون میزائل نصب ہیں، جنہیں نیوکلیئر وار ہیڈ لے جانے کے قابل بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان آبدوزوں میں اسرائیل ساختہ ''پوپ آئی ٹربو'' کروز میزائل نصب ہیں، جنہیں بنیادی طور پر ہوا سے زمین پر مار کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔

اگرچہ اسرائیل کے اندر کسی ایٹمی ہتھیار کا تجربہ نہیں کیا گیا تاہم وینونو کی فراہم کردہ تصویروں میں موجود ایٹمی ہتھیار آزمائے ہوئے لگتے ہیں۔ یہ بھی امکان ہے کہ اسرائیلیوں کو 1960ء کی دہائی میں فرانسیسیوں کے ایٹمی تجربوں کے نتائج حاصل ہوئے

ہوں۔ جون 1976ء میں مغربی جرمنی کے آرمی میگزین Wehrteohnik نے دعویٰ کیا کہ نجف میں 1963ء میں ایک زیرِ زمین ایٹمی تجربہ کیا تھا، بعض دیگر رپورٹوں میں بتایا گیا تھا کہ 2 نومبر 1966ء کو اسرائیل نے ایک نان نیوکلیئر ٹیسٹ کیا تھا۔ ستمبر 1979ء میں ایک ویلا سیٹلائٹ نے جنوبی افریقہ کے نزدیک سمندر میں ایٹمی دھماکے کا سراغ لگایا۔ قیاس ہے کہ وہ دھماکہ اسرائیل اور جنوبی افریقہ نے مشترکہ طور پر کیا تھا۔

کیمیائی ہتھیار

اسرائیل نے کیمیکل ویپنز کنونشن (CWC) پر دستخط تو کیے ہیں لیکن ابھی تک اس کی توثیق نہیں کی ہے۔ قیاسات ہیں کہ اسرائیل نیس زائیونا (Ness Ziona) میں ''اسرائیل انسٹی ٹیوٹ آف بائیولوجیکل ریسرچ'' (IIBR) میں کیمیائی ہتھیار بنا رہا ہے۔ 1983ء میں انسٹی ٹیوٹ کے ڈپٹی ڈائریکٹر مارکس کلنگبرگ (Marcus Klingberg) کو سوویت جاسوس ہونے کے الزام میں 18 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ تاہم اس بات کو دس سال تک صیغۂ راز میں رکھا گیا۔ 1992ء میں اسرائیل کی قومی ایئر لائنز کا ایک طیارہ تل ابیب جاتے ہوئے حادثے کا شکار ہوا تو اس کے ملبے میں سے بڑی مقدار میں ممنوعہ کیمیکلز نکلے۔ اسرائیل نے کہا کہ وہ اس مواد کو کیمیائی ہتھیاروں سے تحفظ کے لیے بنائے گئے فلٹروں کو ٹیسٹ کرنے کی خاطر لایا جا رہا تھا۔ یہ مواد آئی آئی بی آر نے امریکی محکمۂ تجارت کے لائسنس کے تحت ایک امریکی کیمیکل پلانٹ سے خریدا تھا۔

1993ء میں امریکی کانگرس کے آفیسر آف ٹیکنالوجی اسیسمنٹ نے کہا کہ اسرائیل کے پاس غیر اعلانیہ کیمیائی ہتھیار ہیں۔

حیاتیاتی ہتھیار

اسرائیل نے بائیولوجیکل ویپنز کنونشن (BMC) پر دستخط نہیں کیے۔ جبکہ مبینہ طور پر اسرائیل کے پاس بائیولوجیکل ہتھیار موجود ہیں، جنہیں نیس زائیونا میں واقع انسٹی ٹیوٹ فار بائیولوجیکل ریسرچ میں تیار کیا جا رہا ہے۔ پروفیسر ڈیوڈ ارنسٹ برگ مین نے اپریل 1948ء میں اسرائیل کے کیمیائی، حیاتیاتی ہتھیاروں کے پروگرام کا آغاز کیا تھا۔

پندرھواں باب

ریاستِ اسرائیل اور مذہب

○اسرائیل میں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی تعداد
○بہائیوں کا عالمی ہیڈ کوارٹر ○مذہب اور اسرائیلی شہریت
○اسرائیل میں یہودیت ○یہودی امریکہ میں ○اسرائیلی
یہودیوں کے مذہبی رجحانات ○اسرائیل میں مذہبی سٹیٹس کو
○چیف ربائی کا کردار ○چیف ربائی پر تنقید ○اسرائیل میں
مذہبی کشیدگی ○شادی اور مذہبی اتھارٹی

اسرائیل میں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی تعداد

اسرائیل اس حوالے سے ایک منفرد ملک ہے کہ اس کے شہریوں کی اکثریت کا مذہب یہودیت ہے۔ اسرائیل ایک یہودی ریاست ہے، نسلی اعتبار سے بھی اور مذہبی اعتبار سے بھی۔ ملک کی اس خصوصیت کا تحفظ کرنا اسرائیل کی سرکاری پالیسی ہے۔ تاہم اسرائیل تھیوکریسی نہیں ہے۔ اسرائیلی وزارتِ داخلہ کے مطابق 77 فی صد اسرائیلی شہری یہودی، 16 فی صد مسلمان اور باقی ماندہ عیسائیت یا کسی دوسرے مذہب کے پیروکار ہیں۔ ٹھیک ٹھیک تناسب درجِ ذیل ہے:

یہودی	76.7 فی صد
مسلمان	15.8 فی صد
عیسائی	2.1 فی صد
دروز	1.6 فی صد

باقی ماندہ 3.7% کو (جن میں سے بیشتر سابق سوویت یونین سے آ کر اسرائیل میں آباد ہو جانے والے ہیں) مذہبی اعتبار سے کسی زُمرے میں شمار نہیں کیا گیا۔

1999ء کے ایک جائزے میں 5 فی صد اسرائیلی یہودیوں نے اپنے آپ کو ہیریڈم (Haredim) یعنی کٹر یہودی قرار دیا۔ 12 فی صد نے ''مذہبی'' 35 فی صد نے ''روایتی'' (یعنی ایسے یہودی جو یہودی مذہبی قانون ہلاکا پر سختی سے عمل نہیں کرتے)، 43 فی صد نے سیکولر اور 5 فی صد نے ''مذہب مخالف'' (Anti Religious) قرار دیا۔

بہائیوں کا عالمی ہیڈکوارٹر

بہائی مذہب کا عالمی ہیڈکوارٹر حیفہ میں ہے۔ یہ جس زمین پر تعمیر کیا گیا ہے، وہ سو سال سے زیادہ عرصے سے بہائیوں کی ملکیت ہے۔ ساری دنیا سے بہائی زائرین یہاں آتے ہیں تاہم عملے کے چند سو افراد کے سوا اسرائیل میں بہائی آباد نہیں ہیں۔

مذہب اور اسرائیلی شہریت

اسرائیل کو یہودیوں کے ایسے وطن کے طور پر قائم کیا گیا تھا جہاں وہ مذہب کی بنیاد پر ہونے والے مظالم سے محفوظ رہ سکیں۔ اگرچہ اسرائیلی قانون تمام شہریوں کو مذہب اور نسل وغیرہ سے بالاتر ہو کر مساوی شہری حقوق دیتا ہے، تاہم ''واپسی کے قانون'' کے تحت بعض یہودیوں سے ترجیحی برتاؤ کیا جاتا ہے۔ دراصل حکومتی پالیسی ہے کہ اسرائیل کی یہودی آبادی میں اضافہ کیا جائے۔ اس وجہ سے دوسرے ملکوں سے آ کر اسرائیل آباد ہو جانے والے یہودیوں سے ترجیحی سلوک کیا جاتا ہے۔ ''واپسی کا قانون'' اسرائیل میں متنازعہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ یہودی مذہبی قانون سے اس حوالے سے متصادم ہے کہ یہ کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لینے والے نسلی یہودیوں کو اسرائیل میں آباد ہونے سے روکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ قانون اس وجہ سے بھی متنازعہ ہے کہ یہ ایسے افراد کو بھی اسرائیل میں آباد ہونے کا حق دیتا ہے جو نسلی اعتبار سے تو یہودی نہیں ہیں لیکن ان کا یہودیوں سے تعلق ہے۔

اسرائیل میں یہودیت

ریاست اسرائیل کے بیشتر شہری یہودی ہیں اور بیشتر اسرائیلی یہودی یہودیت کی کسی نہ کسی شاخ کو مانتے ہیں۔ اگرچہ یہودیت چند عقائد کا مجموعہ رہی ہے تاہم اس کی بہت سی شاخیں بن چکی ہیں۔ ایک فرقہ دوسرے فرقے کے عقائد سے غیر متفق ہے۔ اس سب کے باوجود یہودیت کا ایک عقیدہ ایسا ہے جس پر ہر فرقے کا اتفاق ہے، اور وہ ہے ایک خدا پر، کائنات کے ایک خالق پر ایمان۔

یہودی امریکہ میں

گزشتہ دو صدیوں میں دنیا میں یہودیوں کی سب سے بڑی کمیونٹی ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں رہی ہے، جو کہ بے شمار فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ان میں سے بڑے بااثر فرقے ہیں: آرتھوڈوکس یہودیت، اصلاحی یہودیت (Reform Judaism) اور قدامت پسند یہودیت (Conservative Judaism)۔

مذکورہ بالا تمام فرقے ریاستِ اسرائیل میں بھی موجود ہیں۔ تاہم اسرائیلیوں

نے ایسا یہودی تشخص اپنایا ہے، جو اسرائیل سے باہر رہنے والے یہودیوں (Diaspora Jewry) سے یکسر مختلف ہے۔

اسرائیلی یہودیوں کے مذہبی رجحانات

گیلپ انٹرنیشنل (Gallup International) کی ایک رپورٹ کے مطابق 25 فی صد اسرائیلی یہودی باقاعدگی سے ''عبادت'' کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں 15 فی صد فرانسیسی یہودی، دس فی صد برطانوی یہودی اور 57 فی صد امریکی یہودی باقاعدگی سے ''عبادت'' کرتے ہیں۔

بیشتر اسرائیلی یہودی اپنے آپ کو ''ہیلونی'' (Hiloni) یا ''میسوراتی'' (Masorati) کہتے ہیں۔ پہلی اصطلاح ایسے یہودی گھرانوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو یورپ سے اسرائیل آئے تھے جبکہ دوسری اصطلاح ایسے یہودی گھرانوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو مشرقِ وسطیٰ، وسطی ایشیا اور شمالی افریقہ سے اسرائیل آئے تھے۔ اگرچہ دوسری اصطلاح کا ''میسورتی'' (Masorti) یعنی قدامت پسندانہ یہودی تحریک سے کوئی سروکار نہیں ہے تاہم ان دونوں کے حوالے سے کافی ابہام پایا جاتا ہے۔ اکثر یہودی اسرائیلیوں کا خیال ہے کہ یہودی ہونے کے اظہار کے لیے صرف اسرائیلی ہونا یعنی یہودیوں کے ساتھ رہنا، عبرانی بولنا اور ارضِ اسرائیل میں رہنا ہی کافی ہے۔ یہ نقطۂ نظر بعض کلاسیکی سیکولر صیہونی نظریات کی توثیق کرتا ہے۔ اس کے برعکس اسرائیل سے باہر آباد یہودی، جو کہ اپنے آپ کو سیکولر قرار دیتے ہیں، سینا گوگ جا کر عبادت کرتے ہیں اور کم از کم یوم کپور کا روزہ ضرور رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ سیکولر اسرائیلی یہودیوں کا طرزِ زندگی اس سے الٹ ہے۔ اسرائیلی یہودیوں کے حوالے سے مطبوعہ تخمینوں کی رو سے ''روایت پسند'' یہودی اسرائیلی آبادی کے 32 فی صد سے 55 فی صد تک ہیں جبکہ ''سیکولر'' یہودی اسرائیلی آبادی کے 20 فی صد سے 80 فی صد تک ہیں۔ اسرائیل میں آباد یہودیوں میں ''آرتھوڈوکس'' کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کنیسیٹ کے 120 میں سے 25 اراکین باقاعدہ عبادت گزار ہیں۔

اسرائیلی یہودی بچوں کی کافی بڑی تعداد مذہبی سکولوں میں داخل ہے۔ اسرائیل میں آرتھوڈوکس یہودیوں کے لیے ''داتی'' اور ''ہیریڈی'' کی اصطلاحیں رائج ہیں۔ پہلی اصطلاح کا اطلاق مذہبی صیہونیت کے ماننے والوں اور ''نیشنل ریلیجس'' کمیونٹی پر ہوتا ہے۔ گزشتہ دہائی میں نمایاں ہونے والے طرزِ زندگی کو ''ہیریڈی لیومی'' یعنی الٹرا آرتھوڈوکس (Ultra-Orthodox) کہا جاتا ہے۔ اس طرزِ زندگی کے حامل لوگ صیہونیت کے حامی یعنی قوم پرستانہ آئیڈیالوجی کے ماننے والے ہیں۔

نسلی اور نظریاتی اعتبار سے ہیریڈی کے تین گروپ ہیں۔ پہلے گروپ میں جرمن یہودی ہیں، دوسرے گروپ میں مشرقی یورپی یہودی ہیں اور تیسرے گروپ میں سیفرڈک اور مزراہی یہودی ہیں۔ تیسرے گروپ کو اسرائیلی پارلیمنٹ (کنیسیٹ) میں سب سے زیادہ نمائندگی حاصل ہے۔ یہ گروپ شاس پارٹی کے ذریعے 1990ء کی دہائی کی ابتدا سے سیاسی اعتبار سے بہت سرگرم ہے۔

''بال تیشووا'' (واپس آنے والے) کے نام سے مشہور تحریک میں ایسے اسرائیلی یہودی شامل ہیں جو پہلے سیکولر ہوتے تھے لیکن اب انہوں نے اپنا سیکولر طرزِ زندگی ترک کر دیا ہے، مذہبی بن گئے ہیں اور انہوں نے بہت سے مذہبی سکول کھولے ہیں۔ ایک مثال ''ایش ہاتورہ'' (Aish Hatorah) ہے، جسے اسرائیلی اسٹیبلشمنٹ کے بعض حلقوں نے بہت حوصلہ افزائی دی ہے۔ اسرائیلی حکومت نے ایش ہاتورہ کو مغربی فصیل کے بالمقابل اپنا بہت وسیع نیا کیمپس کھولنے کے لیے زمین خریدنے کی اجازت دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایش ہاتورہ نہایت کامیابی سے سیکولر یہودیوں کو یہودیت کے بارے میں زیادہ علم حاصل کرنے کی ترغیب دینے میں کامیاب رہی ہے۔ ایسے واقعات کثرت سے رونما ہوتے ہیں کہ دوسرے ملکوں سے اسرائیل آنے والے یہودی طلبا ''ایلیاہ'' کر کے اسرائیل میں مستقلاً آباد ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ سیکولر یہودیوں کو مذہب کی طرف مائل کرنے کے لیے سرگرمی سے کام کرنے والی دوسری تنظیموں میں ''کاباڈ'' اور بریسلو ہیسیڈی تحریکیں نمایاں ہیں۔ ان کی مقبولیت مسلسل بڑھ رہی ہے۔ ربی ایمنون یتزاک کی تنظیم اور ''آرکائیم'' نامی تنظیم سیکولر یہودیوں کے لیے ''یہودیت کا تعارف'' کے عنوان سے مفت

سیمیناروں کا اہتمام وانعقاد کرتی ہیں۔ ''لیولی آ کیم'' تنظیم یہودی مذہبی سکولوں ''یشیوا'' اور ''کولیل'' کے سینیئر طلبا کو بھیجتی ہے کہ وہ اسرائیلی یہودیوں کو اپنے بچے مذہبی سکولوں میں داخل کروانے کی ترغیب دیں۔ جہاں اسرائیل میں مذکورہ بالا تحریکیں اور تنظیمیں سرگرم ہیں وہاں سیکولر طرزِ زندگی کو فروغ دینے کے لیے بھی تحریکیں اور تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ اس حوالے سے کافی اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ اس وقت اسرائیل میں کون سا رجحان غالب ہے۔

اسرائیل میں مذہبی ''سٹیٹس کو'' (Statusquo)

1948ء میں اعلانِ آزادی کے وقت ڈیوڈ بن گوریان اور مذہبی پارٹیوں کے مابین ایک معاہدہ ہوا تھا، جس کے تحت طے کیا گیا تھا کہ اسرائیل کی حکومت اور عدالتی نظام میں یہودی مذہب کا ایک کردار ہوگا۔ اس معاہدے پر آج بھی عمل کیا جاتا ہے۔ اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

☆ چیف ربی کو اختیار ہے کہ وہ کشروت، سبت، تدفین، ازدواجی معاملات (بالخصوص طلاق) اور اسرائیل میں آباد ہونے والے یہودیوں کی حیثیت کے تعین میں فیصلہ کن کردار ادا کرے۔

☆ سبت کے دِن ہیریڈی علاقوں سے ملحقہ سڑکوں کو ٹریفک کے لیے بند کر دیا جاتا ہے۔

☆ سبت کے دن پبلک ٹرانسپورٹ بند ہوتی ہے اور کاروبار بھی زیادہ تر بند ہوتا ہے۔ ''کوشر'' غذا فروخت کرنے کا اعلان کرنے والے ریسٹورنٹس کو چیف ربی سے سرٹیفکیٹ لازماً لینا پڑتا ہے۔

☆ ''غیر کوشر'' غذاؤں کی درآمد ممنوع ہے۔ امتناع کے باوجود آبادی کے بعض حلقوں بالخصوص 1990ء کی دہائی میں سابق سوویت روس سے نقل مکانی کر کے آنے والے یہودیوں کی طلب کی وجہ سے ''کبوتزیم'' میں سؤروں کے فارم کھولے گئے ہیں۔ سٹیٹس کو (Status Quo) کے باوجود سپریم کورٹ نے 2004ء میں رُولنگ دی کہ مقامی حکومتیں سؤر کے گوشت کی فروخت پر پابندی

نہیں لگا سکتیں۔ واضح ہو کہ اس سے پہلے سؤر کی گوشت کی فروخت پر قانوناً پابندی لگانا عام تھا۔

اس سب کے باوجود ''سٹیٹس کو'' کی خلاف ورزی عام ہونے لگی ہے۔ مثال کے طور پر مضافات کے بہت سے بازار (Malls) سبت کے دوران کھلے رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ قانون کی خلاف ورزی ہے تاہم حکومت بڑی حد تک اسے نظر انداز کرنے لگی ہے۔ وزارتِ تعلیم سیکولر اور مذہبی سکولوں کی نگرانی کرتی ہے اور ان کا بنایا ہوا نصاب دونوں طرز کے سکولوں میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔

حالیہ برسوں میں سیکولر طبقے میں ''سٹیٹس کو'' کے خلاف لہر اٹھی ہے جس کا ثبوت شینوئی پارٹی ہے، جو کہ مذہب اور ریاست کو الگ الگ رکھنے پر زور دیتی ہے۔ تاہم اسے ابھی تک زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

چیف ربائی کا کردار

یہ برطانیہ تھا جس نے ''فلسطین کے برطانوی انتداب'' میں ''چیف ربائی'' کا عہدہ سرکاری طور پر رائج کیا تھا۔ برطانوی انتظامیہ کا مقصد یہودیوں کو ان کی اپنی مذہبی اقدار اور روایات کے مطابق زندگی گزارنے کا موقعہ دینا نیز انہیں تاجِ برطانیہ کا زیادہ سے زیادہ وفادار بنانا تھا۔ انگریزوں نے اشکینازی اور سیفرڈی یہودیوں کے لیے ''چیف ربائی'' مقرر کیا تھا۔ اسے عبرانی میں ''ربانوت هاراشیت'' کہتے تھے۔ یہ عہدہ خالصتاً آرتھوڈوکس تھا۔ 1921ء میں ربائی ابراہام آئزک کک (Rabbi Abraham Isaac Kook, 1864-1935) کو پہلا اشکینازی چیف ربائی اور ربائی یاکوف مائر (Rabbi Yaakov Meir) کو پہلا سیفرڈی چیف ربائی بنایا گیا۔ ربائی ابراہام کک مذہبی صیہونی تحریک (Religious Zionist Movement) کا اہم ترین رہنما تھا۔ اس کی نسل کے تمام یہودی اسے ایک عظیم ربائی تسلیم کرتے تھے۔ اس کا ایقان تھا کہ سیکولر یہودی ارتز یسرائیل میں جس یہودی ریاست کے قیام کی کوششیں کر رہے ہیں، وہ ارضِ اسرائیل کی آبادکاری کے الوہی منصوبے کا حصہ ہیں۔ ربائی ابراہام کک کے مطابق اسرائیل کی طرف واپسی

یہودیوں کو مذہبی مظالم سے بچانے والا محض ایک سیاسی اقدام نہیں تھا بلکہ وہ اسے ایک غیر معمولی تاریخی اور مذہبی اہمیت کا حامل عمل قرار دیتا تھا۔

1917ء میں فلسطین پر انگریزوں کے قبضے سے پہلے عثمانیوں نے ربائیوں کو یہودیوں کے باقاعدہ رہنماؤں کی حیثیت سے تسلیم کیا ہوا تھا۔ اس وقت یہاں بسنے والے یہودی زیادہ تر مشرقی یورپ سے تعلق رکھتے تھے اور کٹر آرتھوڈوکس تھے۔

جب 1948ء میں ریاستِ اسرائیل قائم ہوئی تو آرتھوڈوکس غلبے والے ''چیف ربائی'' کے عہدے نے اس میں مرکزی حیثیت حاصل کر لی۔ اسرائیل کے چیف ربائی کا مرکزی دفتر یروشلم میں ہائیکل شلومو میں ہے اور چیف ربائی کو سیکولر ریاستِ اسرائیل کے تمام یہودی مذہبی پہلوؤں پر خصوصی مقتدرہ حاصل ہے۔ ہر اسرائیلی شہر اور قصبے میں سینیئر ربائیوں اور باا ثر سیاست دانوں کے مشورے اور رضا سے ایک مقامی چیف ربائی کو منتخب کیا جاتا ہے۔

پورے ملک میں چیف ربائی کی ماتحتی میں مذہبی عدالتوں ''بیتی دین'' (Betei Din) کا جال بچھا ہوا ہے جنہیں دوسرے مذاہب کے لوگوں کے یہودیت قبول کرنے، غذاؤں کو کوشر ہونے کا سرٹیفکیٹ دینے، یہودیوں کی شادی اور طلاق کا فیصلہ کرنے، سبت اور پاس اوور وغیرہ کی پابندی کی نگرانی کرنے کا حتمی اختیار حاصل ہے۔

اسرائیلی ڈیفنس فورسز کی اپنی عبادت گاہیں ہوتی ہیں جو آرتھوڈوکس عقائد پر استوار ہیں۔ آئی ڈی ایف کی عبادت گاہیں بھی چیف ربائی کے دائرۂ اختیار میں آتی ہیں۔ آئی ڈی ایف میں مذہبی سکولوں کے طلباء کے خصوصی یونٹس قائم ہیں۔

چیف ربائی پر تنقید

بایں ہمہ چیف ربائی کا عہدہ ''دائیں'' اور ''بائیں'' بازو کی مستقل تنقید کا ہدف ہے۔ بیشتر سیکولر اسرائیلی اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ ان کی نجی زندگیاں کسی مذہبی عدالت کے احکامات کے زیرِ اثر ہوں، خواہ وہ مذہبی عدالت یہودی ہی کیوں نہ ہو۔ امریکہ میں شروع ہونے والی ''ریفارم'' اور ''کنزرویٹو'' تحریکیں اس امر پر خفگی کا اظہار کرتی ہیں کہ انہیں اسرائیل میں یہودیوں کی باقاعدہ مذہبی تنظیموں کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا گیا۔

انہوں نے اپنے نظریات کی ترویج کے لیے اسرائیل میں سینا گوگ اور دفاتر قائم کیے ہیں۔

اس کے علاوہ ہیریڈی اور بہت سے ہیسیڈی گروپ چیف ربّی کے ادارے کو بہت زیادہ جانبدارانہ، بہت زیادہ صیہونیت پسند، اور اسرائیلی سیاسی اسٹیبلشمنٹ کا تابع مہمل تصور کرتے ہیں۔ وہ اس بات پر تنقید کرتے ہیں کہ کنیسیٹ کے ایسے اراکین کو بھی، جو کہ مذہبی نہیں ہیں، ہر دس سال بعد چیف ربّی کو منتخب کرنے والے الیکٹورل کالج کا حصہ بنایا جاتا ہے۔

اسرائیل میں مذہبی کشیدگی

اگرچہ ریاستِ اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو مکمل مذہبی آزادی دیتی ہے تاہم بعض مذہبی اقلیتوں کو سماجی دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بعض اوقات حکومت بھی ان کی سرگرمیوں میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔

اسرائیلی یہودیوں میں بھی مناقشت اور تفرقہ موجود ہے۔ اسرائیلی ہیریڈی اپنے بچوں کو کل وقتی تالمودی مطالعے کے لیے وقف کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے انہیں اسرائیلی ڈیفنس فورسز میں لازمی ملازمت سے استثنا مل جاتا ہے۔ غیر ہیریڈی اسرائیلی (Non-Haredi Israelies) اس پر سخت معترض ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ مذہبی تعلیم حاصل کرنے والے صرف چند طلبا کو فوج کی لازمی ملازمت سے استثنا حاصل ہے اور مذہبی سکولوں (یشیوا) کے استاد خود طلبا کو تحریک دیتے ہیں کہ وہ فوج میں شامل ہو کر اسے سیکولر ہونے سے بچائیں۔ تاہم اسرائیل میں بھرتی کے قابل افراد میں سے لازمی بھرتی سے استثنا پانے والوں کی تعداد 10 فی صد ہو چکی ہے۔

سیکولر اسرائیلیوں کے نزدیک استثنا کا نظام اسرائیلی ڈیفنس فورسز میں لازمی ملازمت سے بچنے کا ایک منظم حربہ ہے۔ ہیریڈی یہودیوں کا مؤقف ہے کہ تورات (Torah) اور تالمود (Talmud) کے مطابق خدا نے یہودیوں کو دشمنوں کے سمندر میں زندہ رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ سو ان کے لیے یہی کافی ہے۔

ہیریڈی لوگ اپنے بچوں کی شادیاں کم عمری ہی میں کر دیتے ہیں۔ عموماً لڑکے لڑکیوں کو بیس سال کا ہونے سے پہلے بیاہ دیا جاتا ہے۔ ہیریڈی یہودی اپنے بچوں کی

شادیوں کے لیے حکومت سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ سیکولر اسرائیلی یہودی ایسا کم ہی کرتے ہیں۔ ہیریڈی یہودیوں کی سیاسی پارٹیاں بھی ہیں اور متناسب نمائندگی کے نظام کی وجہ سے وہ حکومت تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

اکتوبر 2005ء میں کنیسیٹ میں تین بڑی ہیریڈی پارٹیاں تھیں۔ شاس نے کنیسیٹ کی گیارہ نشستیں حاصل کیں۔ شاس سیفریڈی یہودیوں کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔ دو ایشکینازی پارٹیوں اگودات اسرائیل (Agudat Israel) اور ڈیگل ہاتورہ (Degel Hatorah) نے کنیسیٹ میں مجموعی طور پر پانچ نشستیں حاصل کیں۔ یہ دونوں پارٹیاں پہلے یونائیٹڈ تورہ جوڈاازم کے نام سے متحد تھیں۔

سیکولر اسرائیلی ہیریڈی اسرائیلیوں کو بے اعتباری اور قدرے نفرت سے دیکھتے ہیں۔ حال ہی میں ہیریڈی پارٹیوں کے اثر و نفوذ کے ردِعمل میں شینوئی پارٹی قائم ہوئی ہے۔ شینوئی پارٹی سیکولر یہودیوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے میدانِ عمل میں آئی ہے۔

آرتھوڈوکس اور ''کنزرویٹو'' اور ''ریفارم'' تحریکوں کے مابین بھی مستقل کشیدگی موجود ہے۔ اسرائیل میں آرتھوڈوکس تحریک سب سے مضبوط اور سب سے بڑی تحریک ہے جبکہ کنزرویٹو اور ریفارم تحریکیں بہت چھوٹی ہیں (البتہ امریکہ میں ان کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہے)۔ اسرائیل میں صرف آرتھوڈوکس یہودی تحریکوں کو سرکاری قبولیت حاصل ہے البتہ اسرائیل سے باہر کنزرویٹو اور ریفارم مذہبی رہنماؤں نے دوسرے مذہب کے جن لوگوں کو یہودیت قبول کرنے پر آمادہ کیا ہوتا ہے، وہ ''واپسی کے قانون'' کے تحت اسرائیل میں آباد ہو سکتے ہیں۔ آرتھوڈوکس سینا گوگوں، مسلمانوں کی مسجدوں اور عیسائیوں کے گرجا گھروں کے برعکس کنزرویٹو اور ریفارم سینا گوگوں کو حکومتی امداد حاصل نہیں ہوتی۔ کنزرویٹو اور ریفارم ربیوں کو توثیق حاصل نہیں ہوتی لہٰذا ان کی شادیوں، طلاقوں اور تبدیلیٔ مذہب کو درست تسلیم نہیں کیا جاتا۔ آرتھوڈوکس عبادت گزار ''مغربی دیوار'' پر عبادت کرنے والے کنزرویٹو اور ریفارم عبادت گزاروں پر سخت مشتعل ہیں اور ان کے خلاف احتجاج کرتے ہیں کیونکہ وہ کئی آرتھوڈوکس روایات کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

''مسیحائی یہودیوں'' (Messianic Jews) کو کافر سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ

یسوع کو مسیحا مانتے ہیں۔ ان کے خلاف مسلسل احتجاج جاری رہتا ہے۔ اسرائیل انہیں عیسائی مشنری تصور کرتا ہے، جو لاعلم یہودیوں کو عیسائی بنانے کے لیے دام بچھائے ہوئے ہیں۔ 2000ء میں یروشلم میں واقع ایک ''مسیحائی سینا گوگ'' (Messianic Synagogue) پر حملہ کیا گیا تھا۔ 2005ء میں ان کے ایک مذہبی اجتماع کے خلاف جلوس نکالا گیا اور مسلح حملہ کیا گیا۔ یروشلم کے پرانے شہر میں رہنے والے عیسائی اکثر شکایت کرتے ہیں کہ یہودی مذہبی سکولوں (یشیوا) کے طلبا انہیں دیکھ کر تھوکتے ہیں۔ اکتوبر 2004ء میں ایک بشپ نے بتایا کہ ایسے واقعات ہفتے میں ایک بار ضرور پیش آتے ہیں۔

اسرائیلی حکومت کئی وجوہ سے نئے سینا گوگ، مساجد اور گرجا گھر تعمیر کرنے میں مداخلت کرتی ہے۔ اکثر اس کی وجوہات تحفظ عامہ اور ماحول کا تحفظ ہوتا ہے۔ ہر مذہب کے افراد کو متعلقہ بلڈنگ پرمٹس اور درست تعمیراتی طریقوں کے لیے یکساں حکومتی چھان بین کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مئی 2003ء میں اسرائیلی حکومتی اہل کاروں نے تال الملاح نامی بدوؤں کی بستی میں 1500 مسلمانوں کے لیے تعمیر کی جانے والی مسجد کو منہدم کر دیا تھا۔ جبکہ قریب ترین مسجد وہاں سے 12 کلومیٹر سے زیادہ فاصلے پر ہے۔ مسلمانوں کی دوسری بستیوں میں بھی مسجد بنانے کی درخواستوں کو رد کیا جا چکا ہے۔

اسرائیل پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ فلسطینیوں پر مظالم کرتا ہے۔

شادی اور مذہبی اتھارٹی

اسرائیل میں کسی شادی کو صرف اسی وقت منظوری دی جاتی ہے کہ جب اسے کسی سرکاری مذہبی اتھارٹی کی موجودگی میں انجام دیا گیا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دلہا اور دلہن کا مذہب ایک ہی ہو، خواہ وہ یہودی ہوں، مسلمان ہوں، عیسائی ہوں یا دروز۔ سیکولر گروپوں کے نزدیک یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اس کے علاوہ ایسے یہودی جو آرتھوڈوکس نہیں ہیں، وہ بھی اس قانون پر اعتراض کرتے ہیں۔ آرتھوڈوکس یہودیوں کو خوف ہے کہ اگر عام شادیوں کی اجازت دے دی گئی تو یہودیوں اور غیر یہودیوں میں شادیاں ہونے لگیں گی جس سے ریاست کا یہودی تشخص معرضِ خطر میں پڑ جائے گا۔

سولھواں باب

رَبّائی (Rabbi)

○ لفظ ربائی کے لغوی و اصطلاحی معانی ○ پہلا ربائی ○ ربائی بننے کا طریقۂ کار ○ عورت ربائی

لفظ ربّائی کے لُغوی واصطلاحی معانی

رَبائی عبرانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معانی ہیں ''استاد'' یا ''عظیم انسان۔''

سیفر ڈی عبرانی میں اس کا تلفظ ''رِبائی'' (Ribbi) کیا جاتا ہے جبکہ ایشکینازی اور جدید عبرانی میں اس کا تلفظ رَبائی (Rabbi) کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ عبرانی کے لفظ راو (RAV) سے نکلا ہے، جس کا انجیلی عبرانی میں مطلب ہے ''عظیم'' یا ''(علم وفضل میں) ممتاز۔''

قدیم جوڈیا کے لوگ (اور آج کل سیفرڈم) دانا و بزرگ انسانوں کو رِبائی (Ribbi) یا رَیبائی (Rebbi) کہا کرتے تھے (ہیں)، جنہیں وقت گزرنے کے ساتھ ربائی (Rabbi) کہا جانے لگا۔ لفظ ربائی کے معانی ہیں ''میرا استاد۔'' استعمال اور برتاؤ سے ''میرا'' کا سابقہ ختم ہوگیا اور لفظ ربائی ایک لقب کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ مشرقی یورپ میں ربائی کو ''راوِن'' (Ravin) کہتے ہیں۔

یہودیت میں ربائی کا کردار نہایت اہم بلکہ مرکزی نوعیت کا ہے۔ قدیم زمانوں سے لے کر آج تک ربائی کی مذہبی، تہذیبی، سیاسی اور معاشرتی حیثیت قائم دائم ہے۔ قدیم زمانوں میں ربائی کی اصطلاح ایسے لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی تھی جو علم وفضل میں کمال حاصل کرنے کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز ہوتے تھے، ایسے لوگ جو یہودیوں کے قانون کے مستند استاد ہوتے تھے، یا ایسے لوگ جو اپنی کمیونٹیوں کے مذہبی پیشوا ہوتے تھے۔ دورِ حاضر میں بھی عمومی طور پر یہودی مذہب کی تدریس کا فریضہ ربائی ہی انجام دیتے ہیں بلکہ ان کا خصوصی فریضہ یہودی مذہبی قانون کا نفاذ اور تشریح وتعبیر ہے۔

اکثر ربائی یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں (Religious Leaders) کی

حیثیت سے فرائض انجام دیتے ہیں۔ سینا گوگ ربائی (Synagogue Rabbi) مذہبی اجتماعات کی پیشوائی کرتے ہیں، مختلف موضوعات پر وعظ دیتے ہیں اور عموماً یہودیوں کی روزمرّہ زندگی کے معاملات میں فیصلہ کن مذہبی کردار ادا کرتے ہیں۔

پہلا ربائی

یہودیوں کی روایت کے مطابق ''بنی اسرائیل'' (Childern of Israel) کے پہلے ربائی حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ یہودی انہیں ''موشے ربینیو'' (Moshes Rabbeinu) کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اس اصطلاح کا مطلب ہے ''ہمارے استاد موسیٰ علیہ السلام۔''

یہودی روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقتدرہ ''سیمیکا'' (Semicha) کے ذریعے ایک ربائی سے دوسرے ربائی تک منتقل ہوتی آئی ہے، اور یہ سلسلہ دورِ حاضر کے ربائیوں تک محیط ہے۔

انیسویں صدی میں جرمنی اور امریکہ میں پروٹیسٹینٹ عیسائی پادریوں کے زیرِ اثر یہودی ربائی بھی مذہبی سرگرمیوں کے علاوہ کمیونٹی کے دوسرے معاملات میں حصہ لینے لگے اور ان کی اہمیت میں اضافہ ہوگیا۔ جو یہودی قدامت پسند نہیں ہیں، ان کے ربائی آج کل روزمرہ زندگی کے ان معاملات میں بھی وقت صَرف کرتے ہیں، جنہیں روایتی طور پر غیر ربائی کام تصور کیا جاتا ہے، یعنی وہ مذہبی تعلیمات عام کرنے اور یہودی مذہبی قانون اور فلسفے سے متعلق سوالات کے جواب دینے کے علاوہ دیگر کام بھی سرانجام دیتے ہیں۔

ربائی بننے کا طریقۂ کار

روایت یہ ہے کہ جب کوئی شخص یہودی مذہبی قانون اور فلسفہ و مذہب سے متعلق سوالوں کے جواب دینے کی تربیت کا مشکل ترین مرحلہ طے کر لیتا ہے، تب وہ ''سیمیکا'' حاصل کرتا ہے۔ ''سیمیکا'' کی سب سے عمومی صورت ''یوری یوری'' (Yorei Yorei)

ہے، جس کا مطلب ہے ''وہ پڑھائے گا۔'' ''سیمیکا'' کی ایک سب سے ترقی یافتہ صورت ''یادین یا دین'' (Yadin Yadin) ہے، جس کا مطلب ہے ''وہ فیصلہ کرے گا۔'' ''یادیں یا دین'' پانے والا ربائی مالی مقدموں میں فیصلے دے سکتا ہے۔ اسے ''دایان'' (جج) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ عہدہ چند ربائی ہی حاصل کر پاتے ہیں۔

یہودیوں کے مختلف فرقوں کے ربائیوں کی تعلیم و تربیت کا انداز اور طریقہ کار مختلف ہے۔ ہیریڈی اور ہیسیڈی یہودیوں میں کوئی عورت ربائی نہیں بن سکتی، صرف مرد ہی ربائی بن سکتے ہیں۔ ہیسیڈی یہودیوں میں تو ربائی کا منصب خاص گھرانوں تک محدود ہے۔ ہیسیڈی اور ہیریڈی یہودی اپنے ربائیوں کے لیے ''ربائی'' کا لفظ اس وجہ سے استعمال نہیں کرتے کہ ان کے خیال میں جدید دور کے یہودیوں نے اس لفظ کے تقدس کو پامال کر دیا ہے۔ وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کے لیے انگریزی زبان میں شامل ہو جانے والے لفظ ''ربائی'' کی بجائے قدیم عبرانی لفظ استعمال کرتے ہیں مثلاً راو (RAV جس کے لغوی معنی ہیں عظیم ربائی)، ہاراو (Harav جس کے لغوی معانی ہیں عظیم ربائی)، موریبنو ہاراو (Moreinu Harav جس کے لغوی معنی ہیں ہمارا استاد) وغیرہ۔ ربائی کی بیوی کو ایشکینازی ریبیٹزین (Rebbetzin) کہتے ہیں جبکہ سیفرڈم اس کے لیے ربانیت (Rabbanit) کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

عورت ربائی

یہودی روایت اور مذہبی قانون کسی عورت کو ربائی بنانے کی اجازت نہیں دیتے۔ تاہم 1972ء میں ''ریفارم موومنٹ'' (Refor Movement) نے ایک عورت کو ربائی بنا کر اس روایت کو توڑ دیا تھا۔ اس عورت کا نام سیلی پریسینڈ (Sally Priesand) تھا۔ اس کے بعد سے غیر قدامت پرست یہودی اپنے ہاں عورتوں کو بھی ربائی بنانے لگے۔

عورتوں کو ربائی بنانے کے نتیجے میں قدامت پرست یہودی بھڑک اٹھے اور انہوں نے اس معاملے پر زبردست احتجاج کیا۔ یہ مسئلہ اسرائیل اور یہودی دنیا میں آج کل بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔

سترھواں باب

اسلام اور یہودیت

○ اسلام اور یہودیت کے باہمی تفاعل کا آغاز ○ تورات اسلام کی نظر میں ○ یہودی مسلمان تعلقات تاریخ کے تناظر میں ○ یہودی فلسفے پر مسلم فلسفے کے اثرات

اسلام اور یہودیت کے باہمی تفاعل کا آغاز

اسلام اور یہودیت میں تفاعل (Interaction) ساتویں صدی میں جزیرہ نمائے عرب میں اشاعتِ اسلام کے وقت سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ چونکہ دونوں مذاہب کا آغاز مشرقِ وسطیٰ میں ہوا تھا اور چونکہ دونوں مذاہب میں بہت سے پہلو مشترک ہیں، نیز اسلامی دنیا میں رہنے والے یہودیوں پر مسلم کلچر اور فلسفے کے اثرات پڑتے رہے ہیں، اس لیے گزشتہ 1400 برسوں میں دونوں مذاہب میں قابلِ لحاظ الوہیاتی اور سیاسی تفاعل رہا ہے۔

اسلام توحید کی تبلیغ کرتا ہے۔ پیغمبرِ اسلام نے عرب کے مشرکین کو بت پرستی سے روکا اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی تلقین کی۔ قرآن کہتا ہے کہ اسلام دیگر پیغمبروں کی تعلیمات کی تکمیل کرتا ہے۔ یہودیت (اور عیسائیت) اور اسلام میں کئی پہلو مشترک ہیں۔ مثال کے طور پر یہودیت اور اسلام میں سؤر کا گوشت کھانا منع ہے۔ یہودی اور مسلمان حضرت موسیٰ علیہ السلام (انہیں یہودی Moses کہتے ہیں) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام (انہیں یہودی Abraham کہتے ہیں) کا احترام کرتے ہیں اور انہیں اللہ کے پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمان یہودیوں کو ''اہلِ کتاب'' کہتے ہیں۔ عربی اور عبرانی دونوں زبانیں ''سامی'' ہونے کی وجہ سے بہت مشابہت رکھتی ہیں۔ عربی لفظ ''سلام'' اور عبرانی لفظ ''شلوم'' نہ صرف ہم آواز ہیں بلکہ ہم معنی بھی ہیں۔

تورات اسلام کی نظر میں

اسلام تصدیق کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اسے یہودی تورہ (Torah) اور مسلمان تورات (Tawrat) کہتے ہیں۔ مسلمان بھی تورات کو اللہ کا

کلام مانتے ہیں۔ تاہم ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اصل تورات میں تحریف کر دی گئی ہے۔ اسلامی عقیدے کے مطابق موجودہ یہودی صحیفہ وہ اصل وحی نہیں ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

یہودی مسلمان تعلقات تاریخی تناظر میں

یہودی اکثر ایسے ملکوں میں آباد رہے ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ جب اسلامی سلطنت وسیع ہوئی تو یہودی بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کے زیرِ حکمرانی آ گئے۔ مسلمانوں کی حکمرانی میں یہودیوں کی صورتِ حال بہت بہتر ہوئی۔ مسلمانوں کی زیرِ حکمرانی یہودیوں نے ریاضی، فلکیات، فلسفہ، کیمیا اور لسانیات میں قابلِ قدر ترقی کی۔

مسلم اکثریت والے ملکوں میں آباد رہنے والی یہودی کمیونٹیز کو سیفر ڈی (Sephardi) مزراہی (Mizrahi) اور تیمانی (Temani) کہا جاتا ہے۔

جیوئش انسائیکلو پیڈیا کے مطابق مدینہ میں یہودیوں کو "کوشر" غذائیں کھانے اور "ہلاکا" (Halakha) پر عمل کرنے کی آزادی تھی، جس کا سبب شریعت اور مسلمانوں کا "حلال" خوراک کا عقیدہ تھا۔ اس کے برعکس عیسائی ملکوں میں یہودیوں کو ایسی آزادی اور سہولت میسر نہیں رہی۔

منگول توران پر اپنے تسلط کے مختلف ادوار میں شامانی، بودھ (Buddhists) نسطوری عیسائی اور مسلمان رہے۔ تاہم انہوں نے یہودی تاجروں سے اپنے تزویراتی مفادات (Strategic Interests) کی وجہ سے یہودیوں کی سماجی حیثیت کو کافی بلند کیا۔

یہودی فلسفے پر مسلم فلسفے کے اثرات

ازمنہ وسطیٰ میں مسلمان اور یہودی تعقل پسند (Rationalist) فلسفیوں کے مابین بہت زیادہ ثقافتی امتزاج عمل میں آیا۔ مسلم فلسفے سے اثر قبول کرنے والا پہلا بڑا یہودی فلسفی سادیا گیون (Saadia Gaon.892-942) تھا۔ اس کی سب سے اہم

کتاب کا نام ہے ''عقائد وآراء کی کتاب۔'' اس کتاب میں سادیا نے خدا کی وحدانیت، مادے کی تخلیق، الوہی صفات اور روح وغیرہ کے حوالے سے مسلمان متکلمین کے دلائل کی روشنی میں اظہارِ خیال کیا ہے۔

بارہویں صدی میں فلسفے کو زبردست عروج ملا، جس کا سبب عربوں میں مسلمان فلسفی غزالی (1058ء - 1111ء) اور یہودیوں میں جوڈاہ ہالیوی (Judah Ha-Levi) تھے۔ میمونائیڈز (ابنِ میمون) نے ارسطو کے فلسفے کو یہودیت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ اس کی معرکتہ الآرا تصنیف کا عنوان ہے ''الجھے ہوئے لوگوں کی راہنما۔'' یہ کتاب صدیوں تک یہودی مفکرین کے مابین بحث مباحثے کا مرکز رہی۔ اس کتاب میں میمونائیڈز نے خدا کی وحدانیت، کائنات کی تخلیق، خدا کی صفات اور روح جیسے موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اگرچہ اس نے ان موضوعات پر ارسطو کے نظریات کی روشنی میں بحث کی ہے اور وہ ارسطو کے مادے اور ہئیت کے نظریات کو تسلیم کرتا تھا تاہم اس کا موقف تھا کہ مادہ ابدی نہیں ہے۔ اسی طرح ارسطو کہتا ہے کہ خدا کو کائنات کا تو علم ہے لیکن وہ اجزائے کائنات کا علم نہیں رکھتا۔ میمونائیڈز نے کہا کہ ''خدا کو ہر شے کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ فلاں شخص کب پیدا ہوگا، کتنا عرصے زندہ رہے گا اور کب مر کر عدم میں چلا جائے گا۔ جب کوئی شخص پیدا ہوتا ہے تو یہ خدا کے لیے کوئی نئی حقیقت نہیں ہوتی۔ خدا کو اس شخص کے بارے میں اس وقت بھی علم تھا جب وہ پیدا نہیں ہوا تھا۔'' (اقتباس از ''الجھے ہوئے لوگوں کی راہنما'') میمونائیڈز ارسطو کے اس نظریے سے متفق تھا کہ تمام ارواح واحد ہیں۔ اسی بنا پر میمونائیڈز کو آرتھوڈوکس یہودیوں کی تنقید کا نشانہ بننا پڑا۔

تبونز، ناربونی، گرسونائیڈز نے عربی میں لکھی ہوئی فلسفے کی کتابوں کو عبرانی میں ترجمہ کیا۔ میمونائیڈز ابنِ رشد کا ہم عصر تھا، اس نے ابنِ رشد کے فلسفے کی بہت تعریفیں کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابنِ رشد یہودی مفکرین کی توجہ کا مرکز بن گیا۔

اسلامی فکر و فلسفے کا اثر نہ صرف یہودی فلسفے پر پڑا بلکہ یہودیوں نے مسلمان مفکرین و فلاسفہ کے نظریات کی مدد سے اپنی مقدس کتابوں کی تشریحیں بھی لکھیں۔

مسلمانوں کے زیرِ قیادت رہنے والے بعض یہودی حکومت میں اعلیٰ ترین مناصب تک پہنچے۔ یہاں تک کہ انہیں وزیر اور شاہی طبیب بھی بنایا گیا۔ مسلم سلطنت کے یہودیوں کو عیسائیوں کی طرح اپنے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ یورپ کے مقابلے میں مسلم سلطنتوں میں یہودیوں سے بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں مذہبی ظلم وستم سے بچنے کے لیے یہودیوں نے مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں پناہ لی تھی۔

سپین پر تقریباً سات سو سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اس عرصے کے دوران یہودیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ اس دوران یہودیوں نے مذہبی، ثقافتی اور معاشی حوالوں سے خوب ترقی کی۔ یہودی اسے اپنا ''سنہرا زمانہ'' قرار دیتے ہیں۔

یہودی ترکی میں دو ہزار سال سے زیادہ عرصے سے آباد ہیں۔ عثمانی سلطنت میں ترکی یہودیوں کے لیے ''جنت'' بن گیا تھا۔ آج بھی ترکی میں کافی یہودی آباد ہیں۔

اٹھارواں باب

اسرائیل کے عرب شہری

○ مسلم عرب ○ اسرائیل کے 25 فی صد بچے مسلمان ہیں ○ عیسائی اسرائیلی عرب ○ دروز ○ اسرائیلی عرب کہاں کہاں آباد ہیں ○ عرب اور اسرائیلی معیشت ○ صحت ○ تعلیم ○ اسرائیلی عربوں کی قانونی اور سیاسی حیثیت ○ سیاسی پیش رفت ○ حالیہ پیش رفتیں ○ اسرائیلی عرب برادری کی معاشی ترقی ○ مشہور اسرائیلی عرب ○ اسرائیلی عربوں سے برتا جانے والا امتیاز ○ مزید امتیازی ○ اقدامات ○ اسرائیل کی پہلی ''مس اسرائیل'' ○ اولین بدو کونسل

عرب ریاستِ اسرائیل کی مجموعی آبادی کا تقریباً 15 فی صد ہیں، اور اگر مشرقی یروشلم کے عربوں کو بھی ملایا جائے تو تعداد 19.5 فی صد بنتی ہے۔ بیشتر اسرائیلی عرب ان 150000 عربوں کی اولاد ہیں، جو 1948ء کی جنگ کے دوران اسرائیل میں ہی رہے۔ اسرائیلی عربوں میں 120000 دروز اور 180000 عیسائی ہیں۔

سیفرڈی اور مزراہی یہودیوں کی اکثریت بھی عرب ہے۔ وہ 1948ء کی جنگ کے دوران عرب ملکوں کو چھوڑ کر اسرائیل آ کر آباد ہو گئے تھے۔ انہیں عموماً عرب شمار نہیں کیا جاتا، تاہم ان میں بیشتر کے آباؤ واجداد عربی بولتے تھے اور وہ بھی عربی بولتے ہیں۔

مسلم عرب

بدوؤں کو نکال کر اسرائیل میں آباد مسلم عرب اسرائیل کی مجموعی عرب آبادی کا 70 فی صد ہیں۔ مسلم عربوں کی اچھی خاصی تعداد مشرقی یروشلم میں رہتی ہے۔ ان کو اسرائیلی ملٹری میں لازمی بھرتی سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

2004ء کے آغاز پر اسرائیل میں قانونی طور پر آباد مسلم عربوں کی تعداد 1350000 یعنی اسرائیل کی آبادی کا تقریباً 19.5 فی صد تھی۔ بدوؤں سمیت مسلمان اسرائیل کی کل عرب آبادی کا 82 فی صد ہیں۔ جبکہ دروز 9 فی صد اور عیسائی بھی 9 فی صد ہیں۔ یہ اعداد و شمار مئی 2003ء میں اسرائیلی سینٹرل بیورو آف سٹیٹسٹکس نے جاری کیے تھے۔

اسرائیل کے 25 فی صد بچے مسلمان ہیں

اسرائیل میں رہنے والے مسلمانوں میں پیدائش کی شرح دوسرے ہر گروپ کی نسبت زیادہ ہے یعنی فی عورت 4.6 بچے۔ اس کے برعکس اسرائیلی یہودیوں میں یہ شرح 2.6 بچے فی عورت ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت اسرائیل کے 25 فی صد بچے مسلمان ہیں۔ گویا اسرائیل کے زیادہ مسلمان شہری بچے اور نوجوان ہیں۔ اسرائیل میں آباد مسلمانوں میں سے 42 فی صد 15 سال سے کم عمر کے بچے ہیں جبکہ اسرائیلی یہودیوں میں یہ تناسب 26 فی صد ہے۔ مسلمان اسرائیلیوں کی اوسط عمر 18 سال جبکہ یہودی اسرائیلیوں کی اوسط عمر 30 سال ہے۔ 65 سال سے زیادہ عمر کے لوگوں میں مسلمان 3 فی صد جبکہ یہودی 12 فی صد ہیں۔ آبادی کے ماہرین نے پیش گوئی کی ہے کہ اگلے 15 برسوں میں اسرائیل کی مسلم آبادی 2000000 افراد سے تجاوز کر جائے گی یعنی مجموعی آبادی کا 24 سے 26 فی صد ہو جائے گی۔ 2020ء میں مسلمان اسرائیل کی عرب آبادی کا 85 فی صد ہوں گے۔ (2005ء کے مقابلے میں 3 فی صد زیادہ)۔

عیسائی اسرائیلی عرب

عیسائی اسرائیلی عرب مجموعی اسرائیلی عرب آبادی کا 9 فی صد ہیں، اور زیادہ تر شمال میں آباد ہیں۔ نزارتھ میں سب سے زیادہ عیسائی اسرائیلی عرب آباد ہیں۔ چند ایک عیسائی اسرائیلی عرب سیاست اور شہری زندگی میں بھی سرگرم ہیں۔ اسرائیلی سپریم کورٹ میں مستقل تقرر پانے والے واحد غیر یہودی عرب جج ایک عیسائی عرب ہیں، جن کا نام سالم جبران ہے۔

دروز

ویسے تو دروز کئی ملکوں میں رہتے ہیں تاہم دروزوں کی زیادہ تعداد اسرائیل، لبنان اور شام میں آباد ہے۔ اسرائیلی دروز زیادہ تر شمال میں آباد ہیں، زیادہ تر حیفہ کے نزدیک دالیات الکارمل میں آباد ہیں۔ جولان کی پہاڑیوں میں بھی دروز آباد ہیں۔

اسرائیلی عرب کہاں کہاں آباد ہیں

مجموعی طور پر 71 فی صد اسرائیلی عرب پورے اسرائیل میں 116 مختلف مقامات میں آباد ہیں۔ ان 116 مقامات میں سے صرف نو (9) شہر ہیں۔ عربوں کی بستیوں کا انتظام

ایک مقامی عرب اتھارٹی چلاتی ہے۔

اسرائیل کے 40 فی صد مسلمان (تقریباً 400000 افراد) ملک کے شمال میں عرب بستیوں میں رہتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا شہر نزارتھ ہے، جہاں 40000 مسلمان آباد ہیں۔ سب سے زیادہ عرب نزارتھ میں آباد ہیں۔

24 فی صد عرب شہروں میں رہتے ہیں جہاں یہودیوں کی اکثریت ہے۔ یہ شہر ہیں: یروشلم، تل ابیب، یافو، اکو (عکرہ) لود، رملہ، معلوت، تارشیحا اور نزارتھ الیت۔ تقریباً مکمل طور پر یہودی علاقوں میں ایک فی صد عرب آباد ہیں، 4 فی صد صحرائے نجف کی بدو بستیوں میں رہتے ہیں۔

عرب اور اسرائیلی معیشت

اسرائیل کی لیبر مارکیٹ (Labour Market) میں عربوں کی تعداد 40 فی صد کے لگ بھگ ہے۔ ان میں مردوں کی تعداد 60 فی صد ہے۔ 55 فی صد یہودی عورتوں کے مقابلے میں 17 فی صد عرب عورتیں لیبر مارکیٹ میں ہیں۔ اسرائیلی معیشت کے حالیہ مندے کی وجہ سے عرب لیبر مارکیٹ پر بُرا اثر پڑا ہے۔ 1989ء سے لیبر مارکیٹ میں عرب مردوں کا حصہ 68 فی صد جبکہ یہودی مردوں کا حصہ 62 فی صد ہے۔ عرب مردوں کی زیادہ تعداد (25 فی صد) تعمیرات کے شعبے میں اور عرب عورتوں کی زیادہ تعداد (38 فی صد) تعلیم کے شعبے میں کام کرتی ہے۔

عرب اسرائیلیوں کی فی گھنٹہ آمدنی 30 شیقل ہے جبکہ اسرائیلی عرب عورتوں کی فی گھنٹہ آمدنی مردوں سے زیادہ یعنی 31 شیقل ہے۔ عرب اسرائیلی یہودی اسرائیلیوں کی فی گھنٹہ آمدنی کا 69 فی صد کماتے ہیں......... 63 فی صد مردوں میں اور 82 فی صد عورتوں میں۔ (یہودی عورتیں یہودی مردوں کے مقابلے میں فی گھنٹہ کم رقم کماتی ہیں)۔ بیشتر عرب عورتیں سرکاری ملازمتیں کرتی ہیں، جبکہ مرد محنت مزدوری کرتے ہیں۔ عربوں کی گھریلو آمدنی کا 76 فی صد اجرتوں سے حاصل ہوتا ہے (یہودیوں میں یہ تناسب 77 فی صد

ہے)اور 24 فی صد الاؤنسز سے حاصل ہوتا ہے (یہودیوں میں اس کا تناسب 13 فی صد ہے)۔ عرب زیادہ رقم خوراک پر خرچ کرتے ہیں (جبکہ یہودی رہائش پر)۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کی آمدنی یہودیوں سے کم ہے مگر وہ یہودیوں کے مقابلے میں مکانوں کے زیادہ مالک ہیں۔ 68 فی صد یہودیوں کے مقابلے میں 87 فی صد عربوں کے پاس مکان ہیں۔

صحت

حفظانِ صحت میں بہتری، عمدہ ماحولیاتی صورتِ حال اور بہتر تعلیم کی وجہ سے عربوں میں نوزائیدہ بچوں کی اموات کی شرح کم ہوئی ہے۔ 1970ء میں پیدا ہونے والے ایک ہزار بچوں میں سے 32 مر جاتے تھے جبکہ 2000ء میں یہ تعداد کم ہو کر 8.6 اموات پر آ گئی۔ مسلمانوں میں نوزائیدہ بچوں کی اموات کی شرح سب سے زیادہ ہے یعنی 1000 بچوں میں سے 9.1 بچے فوت ہو جاتے ہیں (1961ء میں یہ شرح 46.4 تھی)۔ عرب عیسائیوں میں 1961ء میں 1000 میں سے 42.1 بچے فوت ہو جاتے تھے جبکہ 1996ء میں یہ تعداد کم ہو کر 6.7 اموات تک آ گئی۔ دروزوں میں 50.4 سے 8.9 اموات تک کمی ہوئی ہے۔ زندگی کی توقع 1949ء کے مقابلے میں 27 سال بڑھ گئی ہے۔ اسرائیلی عربوں میں سب سے زیادہ اموات دل کے امراض اور کینسر کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ تمام اسرائیلی عربوں میں سے نصف تمباکو نوشی کرتے ہیں جبکہ 2000ء میں 14 فی صد کو شوگر کا مرض لاحق تھا۔

تعلیم

35 سال کے عرصے میں (1961ء تا 1996ء) سکول جانے والے عربوں کا اوسط 1.2 فی صد سے 10.4 فی صد تک پہنچ گیا ہے۔ تاہم اسرائیلی یہودیوں کے مقابلے میں اسرائیلی عربوں میں تعلیم کی شرح نسبتاً کم ہے، جس کی وجہ سے وہ آمدنی بھی کم پاتے ہیں۔

ہیومین رائٹس واچ کی 2001ء کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا تھا:

"عرب بچوں کے لیے کھولے گئے حکومتی سکولوں کی حالت یہودی
بچوں کے لیے کھولے گئے حکومتی سکولوں سے بہت پست ہے۔"

اس رپورٹ میں اسرائیلی نظامِ تعلیم کے تقریباً ہر شعبے میں سنگین فرق دکھائے گئے ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ وزارتِ تعلیم فی یہودی بچے کے مقابلے میں فی عرب بچے کے لیے بہت کم رقم مختص کرتی ہے۔ یہودی بچوں کی کلاسز عرب بچوں کے مقابلے میں 20 صد زیادہ بڑی ہوتی ہیں۔

اسرائیلی عربوں کی قانونی اور سیاسی حیثیت

اسرائیلی عرب ریاستِ اسرائیل کے مکمل شہری ہیں تاہم یہودی شہریوں کے برعکس ان کو اسرائیلی فوج میں لازمی بھرتی نہیں کیا جاتا، تاہم وہ رضا کارانہ طور پر فوج میں خدمات انجام دے سکتے ہیں۔

اس وقت اسرائیلی پارلیمنٹ کنیسیٹ کے 120 میں سے 17 اراکین عرب ہیں، جبکہ ایک عرب جج سالم جبران اسرائیلی سپریم کورٹ میں متعین ہیں۔ 2001ء کی ایریئل شیرون کابینہ میں ایک اسرائیلی عرب وزیر صالح طریف بھی شامل تھے۔ مارچ 2005ء میں اوسکار ابورزاق کو وزارتِ داخلہ کا ڈائریکٹر جنرل متعین کیا گیا۔ عبرانی کے علاوہ عربی اسرائیل کی سرکاری زبان ہے۔

ان سب عوامل کے باوجود یہودی اور عرب قصبوں کو فراہم کیے جانے والے غیر مساوی فنڈز اور بڑھتا ہوا امتیاز اسرائیلی عربوں کے راستے کی بڑی رکاوٹیں ہیں۔

3 مارچ 1999ء کو عبدالرحمٰن زوابی نے سپریم کورٹ میں اپنا عہدہ سنبھالا۔ یوں وہ سپریم کورٹ میں متعین کیے جانے والے پہلے عرب بن گئے۔ وہ نزارتھ کی ضلعی عدالت کے ڈپٹی پریذیڈنٹ تھے۔ انہیں وزیرِ انصاف تزاہی ہانیگبی نے ترقی دے کر سپریم کورٹ میں متعین کیا۔ وزیرِ انصاف نے 2 مارچ 1999ء کو ان کے متعلق کہا "زوابی کے تقرر سے عرب برداری کی ریاستی زندگی میں شمولیت واضح ہوگئی ہے۔"

مئی 2004ء میں سالم جبران کو سپریم کورٹ میں جسٹس کی مستقل نشست پر متعین کیا گیا۔ وہ اس نشست پر متعین کیے جانے والے پہلے عرب تھے۔ 57 سالہ جبران حیفہ کے رہنے والے ہیں۔ وہ ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد لبنانی میرونائٹ (Maronites) تھے۔ جبران کو کریمنل لا (Criminal Law) کے شعبے میں تخصص حاصل ہے، اور وہ جنس اور منشیات سے متعلقہ جرائم پر اپنے سخت فیصلوں کی وجہ سے مشہور ہیں۔

اسرائیلی کنیسیٹ کے رکن عزمی بشارا نے، جو کہ ''ریاست سارے شہریوں کے لیے'' کے نظریے کے پرچارک ہیں اور جنہیں یقین ہے کہ اسرائیلی ریاست صرف چند پسندیدہ گروپوں ہی کو جمہوری حقوق دیتی ہے، دسمبر 2005ء میں لبنان میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا، ''اسرائیلی عرب باقی تمام عربوں جیسے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ان پر اسرائیلی شہریت زبردستی تھوپ دی گئی ہے۔''

فروری 2006ء میں کنیسیٹ کے رکن احمد طبی نے ''عرب اور مسلم سرزمین'' میں اسلامی خلافت قائم کرنے کا مطالبہ کیا اور اسرائیل میں عربوں کی ''اسرائیلائزیشن'' (Israelization) کو مسترد کیا۔

سیاسی پیش رفت

اسرائیلی کمیونسٹ پارٹی نے حالیہ برسوں میں اسرائیلی عرب برادری کو تحریک دینے اور عرب شہریوں کے لیے مکمل مساوات کا مطالبہ کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ اسرائیلی عرب اسرائیلی کمیونسٹ پارٹی کے اخبارات و جرائد میں اپنی تخلیقات شائع کرواتے ہیں، اس کے علاوہ وہ اپنے سیاسی نظریات و آراء کا اظہار بھی انہی اخبارات و جرائد میں کرتے ہیں۔

1965ء میں ریڈیکل گروپ ''الارض'' نے یونائیٹڈ عرب لسٹ تیار کر کے کنیسیٹ کے انتخابات کے لیے ایک آزادانہ عرب لسٹ بنانے کی پہلی کوشش کی تھی، تاہم

اس لسٹ پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ 1966ء میں مارشل لا مکمل طور پر اٹھا لیا گیا تو حکومت نے بہت سے امتیازی قوانین کے خاتمے کا اعلان کیا اور عرب شہریوں کو عملاً تو نہیں لیکن نظری حد تک یہودی شہریوں کے مساوی حقوق دیئے۔

چھ روزہ جنگ کے بعد والا برس اسرائیلی عرب برادری کے سیاسی ارتقا میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ 1970ء کی دہائی میں اسرائیلی عرب برادری نے سیاسی ارتقا کے کئی اہم مراحل طے کیے۔ 1974ء میں عرب میئر اور میونسپل کونسلوں کے چیئرمین منتخب ہوئے، جو برادری کی نمائندگی اور اسرائیلی حکومت پر دباؤ ڈالنے کے اہل تھے۔ 1975ء میں ''کمیٹی فار دی ڈیفنس آف دی لینڈ'' قائم ہوئی، جس نے زمینوں سے بے دخلی کے سلسلے کو ختم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

اِسی برس ایک اہم سیاسی پیش رفت رونما ہوئی۔ کمیونسٹ پارٹی کے رکن اسرائیلی عرب شاعر توفیق زیاد نزارتھ کے میئر منتخب ہوئے۔ اس طرح ٹاؤن کونسل میں کمیونسٹوں کو مضبوط نمائندگی حاصل ہوگئی۔

اگلے سال 30 مارچ کو اسرائیلی عرب برادری کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہوا۔ زمینوں سے بے دخلی اور گھروں کو مسمار کیے جانے کے خلاف مظاہرہ کرنے والوں میں سے چھ عرب ہلاک ہو گئے۔ اس دن کے بعد سے ہر سال 30 مارچ کو ''یوم اِرض'' کے طور پر منایا جاتا ہے۔

یونائیٹڈ عرب لسٹ 1996ء میں تشکیل پائی۔

حالیہ پیش رفتیں

1992ء کے انتخابات میں لیبر پارٹی کی طرف سے اسرائیلی عربوں کی زیادہ فعال شرکت سے اسرائیلی عرب برادری کا سیاسی چہرا کافی تبدیل ہوا۔ تاہم 1996ء کے سانحۂ قانا کے بعد عربوں کی اکثریت کے لیبر پارٹی سے الگ ہو جانے اور 2000ء میں دوسری انتفاضہ کے شروع ہونے پر اسرائیلی حکومت کے سخت ردِ عمل نے اسرائیلی عربوں کی

سیاسی عمل میں شمولیت کو متاثر کیا۔

اس دوران بلاد جیسی نیشنلسٹ پارٹیاں اسلامی موومنٹ کی طرح مقبولیت حاصل کرتی رہیں۔ بائیں بازو کے اتحاد ہادش کو اس وقت بھی اسرائیلی عرب برادری میں بھرپور مقبولیت حاصل ہے، جبکہ لیکوڈ اور قادیمہ کو دروزوں کی اکثریت ووٹ دیتی ہے۔

اسرائیلی عرب برادری کی معاشی ترقی

اسرائیلی عرب برادری 1949ء سے موجودہ دور تک ایک اکثریتی کاشت کار آبادی سے ترقی پا کر ایک صنعتی لیبر فورس میں ڈھل چکی ہے۔ یہ ارتقا مرحلہ وار رہا ہے۔ پہلا مرحلہ 1949ء سے شروع ہوا اور 1967ء تک جاری رہا۔ اس دوران اسرائیلی عرب پرولتاریہ نے جنم لیا۔ 1967ء سے اسرائیلی بورژوازی کے ساتھ ساتھ ایک عرب بورژوازی نے بھی جنم لیا۔ 1980ء سے عرب برادری نے اپنے معاشی اور بالخصوص صنعتی امکانات کو حقیقت کا روپ دینا شروع کیا۔

مشہور اسرائیلی عرب

مشہور اسرائیلی عربوں میں درج ذیل شخصیات شامل ہیں:

1۔ ناول نگار ایمائیل جیبی
2۔ فلم ڈائریکٹر علی سلیمان
3۔ فلم ڈائریکٹر ہانی بو اسد
4۔ اداکارہ حیام عباس
5۔ سیاست دان عزمی بشارا
6۔ سیاست دان احمد طبی
7۔ لیفٹیننٹ کرنل ایموس یارکونی
8۔ سلیم توامہ

ان کے علاوہ فٹ بال کے کئی عرب کھلاڑی بہت مشہور ہیں۔

اسرائیلی عربوں سے برتا جانے والا امتیاز

جولائی 2006ء میں اسرائیلی حکومت نے ملک کی تمام عرب بستیوں کو ''کلاس اے'' ترقیاتی علاقے کا درجہ دے دیا، جس سے انہیں ٹیکسوں میں رعایتیں حاصل ہوں گی۔ اس حکومتی اقدام کا مقصد عرب شعبے میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔

2004ء کی امریکی محکمہ خارجہ کی اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں میں انسانی حقوق کی صورتِ حال سے متعلق رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ اسرائیلی حکومت نے ''ملک کے عرب شہریوں کے خلاف ادارہ جاتی، قانونی اور معاشرتی امتیاز کو ختم کرنے کے لیے بہت تھوڑے اقدامات کیے ہیں۔'' اس حوالے سے مذکورہ رپورٹ میں درجِ ذیل مثالیں دی گئی ہیں:

☆ حیفہ یونیورسٹی کے 2003ء کے ایک سروے کے مطابق عرب شہریوں کو یہودی شہریوں کی نسبت جیلوں میں زیادہ سختی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کے فروغ کے لیے کام کرنے والوں کا کہنا ہے کہ عربوں کو قتل کا زیادہ مرتکب قرار دیا جاتا ہے اور ان کی ضمانت کی درخواستیں رد کر دی جاتی ہیں۔

☆ حکومت یہودی بچوں پر زیادہ رقوم خرچ کرتی ہے جبکہ عرب بچوں پر کم رقوم خرچ کی جاتی ہیں۔ اسرائیلی حکومت نے اقوامِ متحدہ کو 2002ء میں ایک رپورٹ پیش کی جس کے مطابق وہ ایک یہودی طالبِ علم پر خرچ ہونے والے رقم کے 60فی صد کے مساوی رقم ایک عرب طالبِ علم پر خرچ کرتی ہے۔ ہیومن رائٹس واچ کے مطابق اسرائیلی حکومت پرائمری سکول کے 16 یہودی بچوں کے مقابلے میں 19.7 عرب بچوں کے لیے ایک استاد مہیا کرتی ہے۔

☆ ''اور کمیشن آف انکوائری'' کی رپورٹ کے مطابق حکومت عرب شعبے کو نظر انداز کر رہی ہے اور اس سے امتیازی برتاؤ روا رکھے ہوئے ہے۔ حکومت عربوں کی ضروریات پر توجہ نہیں دیتی اور ریاستی رقوم کو مساویانہ بنیادوں پر خرچ نہیں کرتی جس کی وجہ سے عرب شعبے پر سنگین مایوسی طاری ہے۔ عربوں میں بے روزگاری اور غربت عام ہے، زمین کی قلت

ہے، نظامِ تعلیم سنگین مسائل کا شکار ہے جبکہ انفراسٹرکچر بہت خراب ہے۔“

اسرائیلی عربوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی ایک غیر سرکاری تنظیم (NGO) نے اپنی سالانہ رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ 45 فی صد عرب گھرانے غربت کا شکار ہیں جبکہ صرف 15 فی صد یہودی گھرانے غریب ہیں۔ اس کے علاوہ عرب گھرانوں میں پیدا ہونے والے 100 بچوں میں 8 بچے ہلاک ہو جاتے ہیں جبکہ یہودیوں کے ہاں یہ شرح عربوں سے نصف ہے۔

☆ موساوا نامی تنظیم کی رپورٹ کے مطابق یہودی شہریوں کی طرف سے عرب شہریوں پر تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے اور حکومت نے اس مسئلے کو حل کرنے اور عرب شہریوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے مناسب اقدامات نہیں کیے۔

☆ حیفہ یونیورسٹی کے ایک سروے کے مطابق 63 فی صد سے زیادہ یہودیوں نے کہا کہ حکومت کو عربوں کے اسرائیل سے ترکِ وطن کر جانے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

☆ اسرائیل میں تقریباً 93 فی صد زمین سرکاری ہے جبکہ تقریباً 12.5 فی صد زمین ”جیوئش نیشنل فنڈ“ (جے این ایف۔JNF) کی ملکیت ہے۔ قانون کے مطابق سرکاری زمین کو بیچا نہیں جا سکتا البتہ اسے پٹے پر دیا جا سکتا ہے۔ جے این ایف کے قواعد کے مطابق غیر یہودیوں کو زمین نہ تو بیچی جا سکتی ہے اور نہ ہی پٹے پر دی جا سکتی ہے۔

☆ اسرائیلی عربوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیموں نے عربوں کی عمارتوں کو غیر قانونی قرار دے کر منہدم کرنے کی پالیسی کو چیلنج کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حکومت یہودیوں کے مقابلے میں عربوں کو بلڈنگ پرمٹس (Building Permits) کم جاری کر رہی ہے۔ فروری 2006ء میں سکیورٹی فورسز نے ایک عرب بستی میں تعمیر کی جانے والی کئی عمارتوں کو غیر قانونی قرار دے کر مسمار کر دیا۔

☆ جون 2006ء میں اسرائیلی سپریم کورٹ نے رولنگ دی کہ عرب قصبوں کو حکومت کے سماجی اور معاشی منصوبوں سے خارج رکھنا ایک امتیازی اقدام ہے۔ یہ فیصلہ اسرائیلی عربوں کو ہونے والے متعدد نقصانات کے شواہد ملنے کے بعد کیا گیا تھا۔

☆ اسرائیلی عرب تنظیمیں 1996ء کے ''ماسٹر پلان فار دی ناردرن ایریاز آف اسرائیل'' کو امتیازی قرار دے کر چیلنج کر چکی ہیں۔ گیلیلی میں یہودی آبادی کو بڑھانا مذکورہ پلان کا ایک ترجیحی ہدف تھا۔

☆ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسرائیلی عرب طلبا کی تعداد ان کی آبادی کی نسبت سے کم ہے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ پیشہ ورانہ عہدوں اور کاروبار میں بھی اسرائیلی عربوں کا حصہ ان کی آبادی کے تناسب سے کم ہے۔ اسرائیلی بیورو آف سٹیٹسٹکس کے مطابق یہودی آبادی کا تعلیمی دورانیہ عرب آبادی کی نسبت تین سال زیادہ ہے۔ بیشتر اعلیٰ تعلیم یافتہ عربوں کو اپنی تعلیمی حیثیت سے کمتر درجے کی ملازمتیں قبول کرنا پڑتی ہیں۔ ایک اسرائیلی این جی او کے جائزے کے مطابق ملک کے 5000 یونیورسٹی اساتذہ میں عرب اساتذہ کی تعداد 60 سے 70 کے لگ بھگ ہے۔

☆ اسرائیلی عربوں کو لازمی فوجی ملازمت سے استثنا دیا گیا ہے۔ عملاً فوج میں عربوں کی تعداد نہ ہونے کی حد تک کم ہے۔ مزید برآں جو عرب فوج میں ملازمت کرتے ہیں انہیں یہودی فوجیوں کی نسبت کم معاشرتی و معاشی فوائد اور رعایتیں حاصل ہیں۔ واضح رہے کہ فوجیوں کو عموماً اسرائیلی معاشرے میں خصوصی فوائد اور رعایتوں کا حق دار سمجھا جاتا ہے۔ فوج میں ملازمت نہ کرنے والے اسرائیلی عربوں کو بھی دوسرے شہریوں کے مقابلے میں کم معاشی و سماجی سہولیات میسر ہیں مثلاً رہائش، گھریلو سبسڈیز اور حکومتی یا سلامتی سے متعلقہ ملازمتوں میں رکاوٹیں۔ جہاں تک سلامتی کا تعلق ہے تو اسرائیلی عربوں پر ایسی کمپنیوں میں ملازمتوں کے دروازے قطعاً بند ہیں جو دفاعی ٹھیکے لیتی ہیں یا سلامتی سے متعلقہ شعبوں میں کام کرتی ہیں۔ دسمبر 2005ء میں اسرائیلی حکومت کی قائم کردہ آئیوری کمیٹی برائے نیشنل سروس نے حکومت کو سفارشات پیش کیں کہ عربوں کو قومی یا شہری سروس سے دور رکھنے کی بجائے انہیں اس کی پیش کش کی جانی چاہیے۔

فروری 2006ء میں اسرائیلی سپریم کورٹ نے رولنگ دی کہ تعلیمی ترقی کے حکومتی منصوبے میں اسرائیلی عربوں کے ساتھ امتیاز برتا گیا ہے۔ سپریم کورٹ نے حکومت کو

ہدایت کی کہ ایک سال کے اندر اندر نیا منصوبہ بنایا جائے۔

عربوں کے حقوق کی وکالت کرنے والی ایک این جی او سینٹر فار دی سٹرگل اگینسٹ ریس ازم (Center for the Struggle Against Racism) نے ایک سروے کرایا جس سے معلوم ہوا کہ 68 فی صد یہودیوں کا ایقان ہے کہ عرب ملکی سلامتی کے لیے خطرہ ہیں۔ 68 فی صد یہودیوں نے عربوں کے ساتھ ایک ہی عمارت میں رہنے سے انکار کیا جبکہ 57 فی صد یہودیوں کا ایقان ہے کہ عرب کلچر اسرائیلی کلچر جیسا ہی ہے۔ اس سروے سے یہ بھی پتا چلا کہ مشرقِ وسطیٰ سے تعلق رکھنے والے یہودیوں اور عربوں میں خلیج یورپ سے تعلق رکھنے والے یہودیوں کی نسبت کم ہے۔ یورپ سے تعلق رکھنے والے یہودی عربوں سے نسبتاً زیادہ دُور رہتے ہیں۔

مئی 2006ء میں اسرائیلی اخبار ''ہارتز'' نے اپنے اداریے میں لکھا کہ کم آمدنی پانے والے الٹرا آرتھوڈوکس یہودیوں کے بچوں کو 1500 اسرائیلی شیقل مالیت کا وظیفہ دیا جائے گا جبکہ کم آمدنی پانے والے اسرائیلی عربوں کے بچوں کو اس وظیفے سے محروم رکھا گیا ہے۔

ہیومین رائٹس واچ نے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا ہے کہ اسرائیل فوج میں ملازمت کرنے والوں کے بچوں کو حاصل ہونے والے وظائف کی تقسیم میں اسرائیلی عربوں کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے۔ اگرچہ الٹرا آرتھوڈوکس یہودیوں کو بھی فوجی ملازمت نہ کرنے کی وجہ سے ایسی سہولتیں نہیں ملتیں، تاہم اس کی تلافی تعلیمی وظائف کی فراہمی سے ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ عرب بچے اس سہولت سے بھی محروم ہیں۔ ہومین رائٹس واچ نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ اسرائیلی حکومت نے دو الگ نظامِ تعلیم رائج کیے ہوئے ہیں، ایک یہودی بچوں کے لیے اور دوسرا عرب بچوں کے لیے۔

مزید امتیازی اقدامات

اسرائیلی عربوں پر مارشل لا نافذ رہا ہے۔ اس کے علاوہ خصوصاً عربوں کے لیے الگ سے قوانین بنائے گئے ہیں۔ مارشل لاء کی رو سے عربوں کو اپنی رہائش گاہ سے ایک

مخصوص فاصلے سے زیادہ سفر کرنے کے لیے فوجی گورنر سے اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا۔ اگرچہ کثیر یہودی آبادی والے شہروں میں مقیم عربوں پر سے مارشل لاء اٹھالیا گیا تھا تاہم عرب علاقوں میں مارشل لاء 1966ء تک نافذ رہا۔

اس حوالے سے متعدد قوانین بنائے گئے ہیں کہ عربوں کی چھوڑی ہوئی زمین ریاست کی ملکیت ہے۔ ان میں 1950ء کا ''غیر حاضر مالک کی املاک کا قانون'' بھی شامل ہے جو دوسرے ملکوں کو چلے جانے والے عربوں کی زمینوں کو ریاست کے قبضے میں لیے جانے کو جائز قرار دیتا ہے۔ 1953ء کا ''ملکیتِ اراضی کا قانون'' وزارتِ خزانہ کو اختیار دیتا ہے کہ وہ عربوں کی چھوڑی ہوئی زمینوں کا انتقال ریاست کے نام کردے۔ ان قوانین کے علاوہ کسی علاقے کو بند فوجی علاقہ قرار دینے کے ہنگامی ضابطے بھی بنائے گئے ہیں۔

عرب اسرائیلی جنگوں کے دوران اپنے گھروں کو چھوڑ کر ان علاقوں میں، جو کہ بعدازاں اسرائیلی علاقے بن گئے تھے، چلے جانے والوں کو ''موجود غیر حاضر'' (Present Absentees) قرار دیا گیا ہے اور اکثر لوگوں کو ان کے اصل گھروں میں واپس جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ایسے گھروں کو ریاست اپنی ملکیت میں لے چکی ہے۔ اکیسویں صدی شروع ہو چکی ہے لیکن ان عربوں کے اپنے گھروں کی واپسی کے لیے دائر کیے گئے مقدمات کا فیصلہ نہیں ہوا۔

31 جولائی 2003ء کو اسرائیل میں آباد ہونے کے قانون میں ایک سال کے لیے ترمیم کی گئی، جسے ''سٹیزن شپ اینڈ اینٹری ان ٹو اسرائیل لا'' کا عنوان دیا گیا۔ اس کی رو سے غربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں آباد فلسطینیوں کے اسرائیل کی شہریت حاصل کرنے اور اسرائیل میں آباد ہونے پر امتناع عائد کیا گیا تھا۔ اس قانون کا اطلاق مذکورہ علاقوں کے عرب اسرائیلی شہریوں سے شادی کرنے والوں پر بھی ہوتا تھا۔ مدت ختم ہونے پر اگست 2004ء میں اس قانون کی مدت میں چھ ماہ کا اضافہ کر دیا گیا اور پھر فروری 2005ء میں چار ماہ کا اضافہ کیا گیا۔

اگرچہ اس قانون کا دائرۂ اثر تمام اسرائیلیوں تک وسیع ہے تاہم اسرائیلی عرب اس سے غیر مناسب حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ بعض اسرائیلی اس قانون کو انتہائی امتیازی قانون قرار دے چکے ہیں۔

8 مئی 2005ء کو قوانین جاری کرنے والی وزارتی کمیٹی نے ''اسرائیل میں داخلے اور شہریت کے قانون'' میں ترمیم کرتے ہوئے 35 سال سے زیادہ عمر کے مرد اور 25 سال سے زیادہ عمر کی خواتین فلسطینیوں کو اسرائیل میں داخلے اور شہریت کی اجازت دی۔ یہ نیا قانون 'شن بیت'' کی اس تحقیق کی روشنی میں بنایا گیا تھا کہ زیادہ عمر کے فلسطینی دہشت گردانہ کارروائیوں میں کم حصہ لیتے ہیں۔

اسرائیل کی پہلی عرب ''مس اسرائیل''

1999ء میں اسرائیل کی تاریخ میں پہلی بار ایک عرب دوشیزہ کو ''مس اسرائیل'' منتخب کیا گیا۔ اِس اکیس سالہ عرب دوشیزہ کا نام رعنا رسلان ہے۔ وہ حیفہ کی رہنے والی ہے۔ رعنا کے مس اسرائیل منتخب ہونے کی خبر پورے اسرائیل اور ساری دنیا کے اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی۔

☆ جنوری 2005ء میں فلسطینی فٹ بال ایسوسی ایشن نے ایک اسرائیلی عرب عزمی نصر کے ساتھ دو سال کے لیے نئی قومی ٹیم کی کوچنگ کا معاہدہ کیا۔

☆ اپریل 2006ء میں حیفہ کی 20 سالہ مسلمان لڑکی لزال ناجین کراتنعی نے اسرائیل کے ٹی وی ریئیلٹی شو ''دی سپر ماڈلز'' میں اوّل انعام حاصل کیا۔

اوّلین بدو قونصل

جون 2006ء میں اسماعیل خالدی کو سان فرانسسکو کے اسرائیلی قونصل خانے میں قونصل متعین کیا گیا۔ وہ اس منصب پر فائز ہونے والے اوّلین اسرائیلی بدو قونصل ہیں۔

انیسواں باب

زراعت: اسرائیلی معیشت کا محور

○ زرعی ریسرچ اور ڈویلپمنٹ ○ آب پاشی ○ نیشنل واٹر کیریئر ○ میکانائزیشن اور ایگرو ٹیکنالوجی ○ زرعی ترقی میں اسرائیلی حکومت کا کردار ○ صحرا میں فصلوں کی کاشت ○ کوآپریٹو فارمنگ ○ اسرائیل میں پھلوں کی پیداوار ○ سبزیاں ○ دیگر فصلیں ○ ڈیری فارمنگ ○ پولٹری اور گوشت ○ پھول ○ آرائشی پودے ○ زراعت: مزید اہم معلومات ○ ڈرپ اری گیشن ○ سپرے اری گیشن ○ سپرنکلر اری گیشن ○ گرین ہاؤسز ○ گرین ہاؤس کی ساخت ○ کمپیوٹرائزڈ گرین ہاؤسز

اسرائیل نے پانی کی کمیابی، قابلِ کاشت اراضی کی کمی اور دیگر مسائل کے باوجود 1948ء سے لے کر دورِ حاضر تک زراعت میں بہت ترقی کی ہے۔ ذیل میں ہم اسرائیلی وزارتِ زراعت کی ویب سائٹ سے حاصل کردہ معلومات درج کر رہے ہیں۔

1948ء میں ریاستِ اسرائیل کے قیام کے بعد زیرِ کاشت رقبہ 165000 ہیکٹر سے بڑھ کر تقریباً 420000 ہیکٹر ہو گیا ہے۔ جبکہ زرعی کمیونٹیز کی تعداد 400 سے بڑھ کر 900 ہو گئی ہے، جن میں 136 عرب بستیاں بھی شامل ہیں۔ اس عرصے کے دوران زرعی پیداوار میں سات گنا اضافہ ہوا جو کہ آبادی میں اضافے سے زیادہ تھا۔ واضح ہو کہ اسرائیل میں اس عرصے کے دوران آبادی میں چھ گنا اضافہ ہوا۔

زرعی ریسرچ اور ڈویلپمنٹ

پانی کی شدید کمی اور قابلِ کاشت اراضی کے محدود ہونے کے باوجود زرعی پیداوار میں مسلسل اضافہ کوئی اتفاق نہیں ہے۔ اس کا سبب زرعی محققین، ایکسٹینشن ورکرز، کاشت کاروں اور زراعت سے وابستہ سروسز اور صنعتوں کا باہمی تعاون اور سرگرم جدوجہد ہے۔

اسرائیل میں قابلِ اطلاق زرعی ریسرچ اور ڈویلپمنٹ (R&D) کا عمل ریاست کے قیام سے پہلے سے جاری ہے۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ اسرائیل کا زرعی شعبہ تقریباً مکمل طور پر سائنس اور ٹیکنالوجی کی اساس پر استوار ہے۔ زرعی ترقی کے لیے حکومتی ادارے، تعلیمی ادارے، انڈسٹری اور کوآپریٹو ادارے مل کر کام کر رہے ہیں۔

اسرائیلی وزارتِ زراعت کا تحقیقی ادارہ ''زرعی تحقیقی آرگنائزیشن (Agriculture Research Organization-ARO) 75 فی صد ملک گیر زرعی تحقیق میں انجام دیتا ہے۔ یہ ادارہ اسرائیل کے بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ زرعی

کارناموں کا محرک ہے۔ اے آر او کے مین کیمپس میں سات انسٹی ٹیوٹ اور کیمپس سے باہر چار تجرباتی سٹیشن ہیں۔ اے آر او کی آب پاشی اور بارانی علاقے کی زراعت کے حوالے سے ایجادات اور منفرد قسم کے پھلوں، سبزیوں اور آرائشی پودوں کی مختلف قسمیں اسرائیل اور اسرائیل سے باہر تجارتی مقاصد کے لیے استعمال ہو رہی ہیں۔ اے آر او کی ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ نے ملک کی زرعی پیداوار میں معیار اور مقدار ہر دو اعتبار سے زبردست اضافہ کیا ہے۔ اس کامیابی کی کلید محققین اور کاشت کاروں میں دوطرفہ رابطہ اور معلومات کا تبادلہ ہے۔ کاشت کاروں کو اپنے مسائل براہِ راست محققین تک پہنچانے کے لیے ایک نظام قائم کیا گیا ہے۔ جونہی کسی مسئلے کا حل ملتا ہے، اسے فوراً عملی تجربے کے لیے کاشت کاروں تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ زرعی پیداوار اور فصلوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کے حصول کے مقصد کے تحت پودوں کی نئی نئی قسمیں اختراع کی گئی ہیں، جانوروں کی بہتر انواع پیدا کی گئی ہیں اور آبپاشی، زرعی مشینری، آٹومیشن، کیمیکلز، کاشت اور فصلوں کی کٹائی میں طرح طرح کی اختراعیں اور جدتیں کی گئی ہیں۔

1990ء کی دہائی کے اواخر میں رونما ہونے والے ٹیلی کمیونیکشن کے انقلاب کی بدولت کاشت کار موبائل فونز، انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کے ذریعے فصلوں کی کاشت اور فروخت کا ایک جدید ترین نظام قائم کر چکے ہیں۔

آب پاشی

بن گوریان یونیورسٹی (Ben Gurion University) کے قریب ڈیزرٹ پلانٹ سٹیشن ہے۔ یہاں آج سے دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے صحرائی کاشت کار فصلیں کاشت کیا کرتے تھے۔ ان کے زرعی طریقے حیران کن حد تک کارآمد تھے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے باقاعدہ ایک نظام وضع کیا تھا۔ آج بھی اسرائیل میں زراعت کے طریقے تبدیل ہو جانے کے باوجود آبپاشی

کے مسائل برقرار ہیں اور قابلِ کاشت اراضی کی کمی کا مسئلہ ویسے ہی موجود ہے۔

1948ء سے ہی اسرائیلی کاشت کاروں کے لیے پانی کو محفوظ رکھنا سب سے بڑا مسئلہ رہا ہے۔ اسرائیل میں اس وقت آٹھ بڑی اور متعدد درمیانے اور چھوٹے سائز کی کمپنیاں آب پاشی اور فلٹریشن کے آلات تیار کر رہی ہیں۔ یہ کمپنیاں نہ صرف ملکی ضروریات پورا کرتی ہیں بلکہ ان آلات کو برآمد بھی کیا جاتا ہے۔ اسرائیل نے زرعی ٹیکنالوجی کے ان دو شعبوں میں غیر معمولی ترقی کی ہے۔

گزشتہ کئی برسوں سے خطے میں بارشیں کم ہوئیں، جس پر پانی کو محفوظ رکھنے کے ہنگامی اقدامات کیے گئے۔ اسرائیل کی صورتِ حال یہ ہے کہ اگر بارشیں معمول کے مطابق ہو رہی ہوں، تب بھی ملک کا 60 فی صد رقبہ بارانی یا نیم بارانی کے زُمرے میں شمار ہوتا ہے۔ بارشیں صرف نومبر سے اپریل کے دوران ہوتی ہیں۔ شمال میں بارش 28 انچ یا 70 سینٹی میٹر تک جبکہ جنوب میں دو انچ یا 5 سینٹی میٹر سے بھی کم ہوتی ہے۔ 1995ء سے 2001ء کے دوران اسرائیل میں استعمال کے قابل پانی کی مقدار 90 کروڑ کیوبک میٹر سے کم ہو کر 74 کروڑ کیوبک میٹر ہو گئی۔ چنانچہ حکومت نے تازہ پانی کی راشن بندی کر دی اور پانی کی قیمت میں اضافہ کر دیا تاکہ اس کا استعمال محدود اور صرف ضروری مقاصد ہی کے لیے ہو۔ اس کے علاوہ سیوریج (Sewage) کو صاف کرنے کے مزید پلانٹ لگائے گئے۔ 1990ء میں صاف شدہ سیوریج کا استعمال 25 کروڑ کیوبک میٹر تھا، جو کہ اَب 50 کروڑ کیوبک میٹر تک پہنچ گیا ہے۔ صاف شدہ سیوریج کی فراہمی کے لیے نئی پائپ لائنز بھی بچھائی گئی ہیں۔

اسرائیل میں گزشتہ 25 برسوں میں زرعی پیداوار میں سات گنا اضافہ ہوا ہے جبکہ اس کے لیے استعمال ہونے والے پانی میں بہت کم اضافہ ہوا ہے۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ اسرائیل نے آب پاشی کے شعبے میں کس قدر ٹیکنالوجیکل ترقی کی ہے۔ زرعی مقاصد کے لیے پانی کے کم استعمال کی غرض سے ترقی یافتہ تیکنیکیں استعمال کی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں ڈرپ سسٹم (Drip System) کا ذکر ضروری ہے۔ اسرائیلی انجینئروں اور زرعی ماہرین نے ایک انقلابی ڈرپ سسٹم تخلیق کیا ہے، جس سے پانی کا استعمال ''ثقلی آبپاشی''

(Gravity Irrigation) کے مقابلے میں 50 سے 70 فی صد جبکہ "فوارہ آب پاشی" (Sprinkler Irrigation) کے مقابلے میں 10 سے 20 فی صد کم ہو گیا ہے۔ حال ہی میں ڈرپ سسٹم سے بھی زیادہ جدید نظام متعارف کرایا گیا ہے، جس سے پانی کی بچت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ اس نظام میں پانی کو سیدھا پودوں کی جڑوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ مزید برآں آبپاشی کے کمپیوٹرائزڈ (Computerized) نظاموں کو رائج کیا گیا ہے اور "کلائمیٹ کنٹرولڈ گرین ہاؤس ایگری کلچر" (Climate Controlled Greenhouse Agriculture) کو کافی توسیع دی گئی ہے۔

مائیکرو سپرے اِنگ (Micro-Spraying) اور مائیکرو سپرنکلنگ (Mirco-Sprinkling) آلات بنائے گئے ہیں، جنہیں زیادہ تر باغات میں آبپاشی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ باغوں میں ہر درخت کو الگ سپریئر کے ذریعے پانی دیا جاتا ہے۔

نیشنل واٹر کیریئر

خطے میں پانی کے عدم توازن کے باعث اسرائیل میں تازہ پانی کے وسائل کو بہتر طریقے سے استعمال کرنے کے لیے "نیشنل واٹر کیریئر" (National Water Carrier) بنایا گیا ہے۔ یہ پمپنگ سٹیشنز، آبی ذخائر، نہروں اور پائپ لائنز کا ایک مربوط نیٹ ورک ہے۔ اس نیٹ ورک کے ذریعے پانی کو شمال سے، جہاں پانی کے بیشتر ذخائر موجود ہیں، جنوب کے نیم بارانی زرعی علاقوں میں پہنچایا جاتا ہے۔ 1948ء میں اسرائیل میں 30000 ہیکٹر زرعی اراضی کو آبپاشی کی سہولت میسر تھی جبکہ آج 192000 ہیکٹر زرعی اراضی کو آبپاشی کی سہولت مل چکی ہے۔

اسرائیل میں زراعت کے مستقبل کا انحصار پانی کی دستیابی پر ہے۔ اس چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لیے اسرائیل میں تازہ پانی کے استعمال میں کمی لانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں جبکہ ری سائیکلڈ (Recycled) پانی کے استعمال میں اضافہ کرنے پر بھرپور توجہ دی جا رہی ہے۔

میکانائزیشن اور ایگرو ٹیکنالوجی

ٹیکنالوجی کی ترقی اسرائیل میں زرعی ترقی کا سبب بھی ہے اور نتیجہ بھی۔ اسرائیل نے 2000ء میں زرعی پیداوار کے مقابلے میں دگنی مقدار میں زرعی مداخل (Inputs) برآمد کیے تھے۔ زرعی مصارف گھٹانے، پیداوار بڑھانے، فصلوں کا معیار بہتر کرنے اور افرادی قوت کو محفوظ رکھنے کے لیے نت نئے زرعی آلات اور مشینیں ایجاد کی گئی ہیں۔ انہیں نہ صرف مقامی سطح پر ڈیزائن اور تیار کیا جاتا ہے بلکہ ان کو وسیع پیمانے پر استعمال بھی کیا جا رہا ہے۔ نظری اور عملی سطح پر کیے جانے والے وسیع تجربات کے نتیجے میں زمین کی تیاری، بوائی اور کٹائی کی ہیوی ڈیوٹی مشینیں بنائی گئی ہیں۔ مختلف قسم کے آبپاشی کے نظام اس پر مستزاد ہیں۔ اسرائیل میں ایک جدید نظام وضع کیا گیا ہے جس کے تحت فصلوں کو پانی کے ذریعے کھادیں انجیکٹ (Inject) کی جاتی ہیں۔ بہتر پیداوار کے لیے درجۂ حرارت اور ہوا کی نمی کو کنٹرول کرنے والے جدید ترین طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان ترقی یافتہ اور جدید ترین طریقوں کی بدولت، مرغبانی، گل بانی اور بے موسمی سبزیوں کی کاشت کے لیے موزوں ماحول دستیاب ہو جاتا ہے۔

زرعی ترقی میں اسرائیلی حکومت کا کردار

اسرائیلی حکومت اپنے ملک کے زرعی شعبے پر بھرپور توجہ دیتی ہے۔ وزارتِ زراعت زرعی شعبے کی نہ صرف دیکھ بھال کرتی ہے بلکہ کاشت کاروں کو ہر ممکن مدد بھی مہیا کرتی ہے۔ جس میں ریسرچ اینڈ ڈیویلپمنٹ (R&D)، پودوں اور جانوروں کی صحت کے لیے اعلیٰ معیاروں کو برقرار رکھنا، زرعی منصوبہ بندی، تحقیق اور مارکیٹنگ میں مدد دینا شامل ہے۔ ریاستِ اسرائیل کے قیام کے بعد کئی برس تک زراعت پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی رہی اور ہر فصل کے لیے پانی کا کوٹہ مخصوص کیا جاتا تھا۔ اب صرف دودھ اور دودھ سے بنی ہوئی بعض اشیاء، انڈوں، برائیلر اور آلو کے لیے کوٹہ مخصوص کیا گیا ہے۔

حکومت پانی کی فراہمی پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ اس مقصد کے لیے

کلاوُڈ سیڈنگ (Cloud Seeding) کے ذریعے بارشوں کو بڑھایا جا رہا ہے اور گندے پانی کو صاف کر کے استعمال کے قابل بنانے کے لیے جدید ترین ٹیکنالوجی استعمال کی جا رہی ہے۔ 2004ء میں سمندری پانی کو صاف کرنے کے کئی بڑے پلانٹ لگائے گئے۔ حکومت ملک میں پانی کے ضیاع کو روکنے کے لیے پانی کے کوٹے مخصوص کرتی ہے۔ اسرائیل میں پانی کی قیمت بہت زیادہ رکھی گئی ہے تاکہ لوگ اسے ضائع نہ کریں۔ زیرِ زمین پانی کو پمپوں کے ذریعے نکالنے پر مکمل پابندی ہے۔ حکومت پانی کی ذخیرہ گاہیں تعمیر کرنے نیز پانی کی سپلائی کے جدید ترین نظام تیار کرنے پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ 1990ء میں پانی کی راشن بندی اور سمندری پانی کو صاف کرنے کا ایک دس سالہ پروگرام شروع کیا گیا تھا۔ اس پروگرام کے تحت شہروں میں استعمال ہونے والے پانی کو صاف کر کے دوبارہ استعمال کے قابل بنانے کے لیے بھی پلانٹ تعمیر کیے گئے۔

صحرا میں فصلوں کی کاشت

بیر شیوا اور ایلات کا درمیانی صحرائی علاقہ 1948ء سے زرعی پیداوار میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ یہاں سے ملک کی 40 فی صد سے زیادہ سبزیاں اور فصلیں حاصل کی جاتی ہیں۔ برآمد کیے جانے والے 90 فی صد خربوزے ارادا میں پیدا ہوتے ہیں۔ اسرائیل کی موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ ملک کے گنجان آباد وسطی حصے میں قابلِ کاشت اراضی کی دستیابی میں کمی ہو رہی ہے جبکہ زیادہ زمین رہائشی ضروریات کے لیے استعمال ہو رہی ہے۔ اس تناظر میں نجف اور ارادا کی زراعت کے لیے اہمیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ صحرا میں کاشت کاری کا انداز بھی تبدیل ہو رہا ہے۔ خطے کی صورتِ حال سے ہم آہنگی رکھنے والی فصلیں ایجاد کی اور متعارف کروائی جا رہی ہیں نیز جانوروں کی افزائش پر بھی توجہ دی جا رہی ہے جو کہ اس کے پہلے زیادہ تر شمالی علاقوں میں ہوتی تھی۔

ان دو علاقوں کی مشترکہ خصوصیت یہ ہے کہ یہاں دھوپ زیادہ دیر تک رہتی ہے، درجۂ حرارت زیادہ رہتا ہے۔ زمین نسبتاً سستی ہے جبکہ پانی بھی دستیاب ہے۔ انہی خوبیوں

کی وجہ سے اکتوبر تا مارچ یعنی موسمِ سرما کے دوران یورپ کو زرعی پیداوار کی برآمد میں اضافہ ہو گیا ہے جبکہ پیداوار کے لیے توانائی کم استعمال ہوتی ہے اور قیمتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ 1990ء کی دہائی تک نجف اور اراوا میں زیادہ تر اجناس، سبزیاں، پھل اور کھجوریں پیدا کی جاتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ صنعتی کمپنیوں (Industrial Companies) نے شمالی نجف میں 11000 ہیکٹر رقبے پر تر شاوا پھلوں کے باغات لگائے۔ اب شراب سازی کے لیے انگور اور تیل کے لیے زیتون کی کاشت، گوشت کے لیے مویشی، شتر مرغ اور مچھلیوں کے فارمز بنانے اور پھول اگانے کے منصوبوں کو عملی روپ دیا جا رہا ہے۔

حکومت ''صحرا کو سر سبز بنانے'' کی نئی لہر کی بہت حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ نجف میں زیادہ موزوں صورتِ حال اور تر شاوا پھلوں کی نئی قسموں کو کاشت کرنے کی وجہ سے شمال کے مقابلہ میں 50 سے 100 فی صد زیادہ پیداوار حاصل ہو رہی ہے۔ ''صنعتی'' زیتون (Industrial Olive) کے درختوں کو قریب قریب اگایا گیا ہے، جنہیں دوبارہ استعمال کے قابل بنائے گئے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ ملک کے دوسرے علاقوں میں بارش کے پانی سے سیراب ہونے والے زیتون کے درختوں کی نسبت چھ گنا زیادہ پیداوار حاصل ہو رہی ہے۔ 1996ء سے 1998ء کے دوران نجف اور اراوا کے علاقوں میں بنائے جانے والے فش فارمز سے ہزاروں ٹن مچھلی دستیاب ہوئی۔ یاد رہے اسرائیل میں ہر سال کل 32000 ٹن مچھلی پیدا ہوتی ہے۔

صحرائی زراعت اسرائیل کی غذائی معیشت میں انتہائی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ اسرائیلی حکومت نے ایشیا، افریقہ، آسٹریلیا اور امریکہ سے بارانی پودوں اور فصلوں کی مختلف قسمیں منگوا کر ملک میں متعارف کرائی ہیں۔ اسرائیل 1950ء کی دہائی سے ہی دنیا کے دیگر ملکوں کے تعاون سے زرعی تحقیق و ترقی کے لیے کوشاں ہے۔ اسرائیلی وزارتِ خارجہ کا ادارہ ''ماشاو'' (Mashav) یعنی مرکز برائے بین الاقوامی تعاون (Center for International Cooperation) ایشیا، افریقہ، بحیرۂ روم کے طاس، مشرقی یورپ اور لاطینی امریکہ کے ملکوں کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے کئی ملکوں میں کام کر رہا ہے۔ زرعی منصوبے اور مشترکہ تحقیقی

سرگرمیاں اسرائیل کے بین الاقوامی باہمی تعاون کے منصوبوں کے نصف پر مشتمل ہیں۔ اسرائیل ہر سال زرعی تربیتی کورس کرواتا ہے، جن میں 80 ملکوں سے ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ افراد زرعی موضوعات پر تربیت لیتے ہیں جبکہ ہزاروں لوگ اپنے اپنے ملکوں میں ہی زرعی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ 1958ء سے اَب تک ہزاروں اسرائیلی زرعی ماہرین کو طویل المیعاد اور قلیل المیعاد اسائن مینٹس پر دوسرے ملکوں میں بھیجا جا چکا ہے۔

کوآپریٹو فارمنگ

اسرائیل میں بیشتر زراعت کوآپریٹو اصولوں پر استوار ہے۔ یہ سلسلہ بیسیوں صدی کے ابتدائی عشروں ہی سے جاری ہے۔اس زمانے میں یہودی رہنماؤں نے نظریے اور حالات کے تحت دو منفرد زرعی آبادیاں قائم کیں۔

ایک کو رکبوتز (Kibbutz) کہا جاتا ہے۔رکبوتز میں رہنے والے کاشت کار تمام زرعی آلاتِ پیداوار کے مالک ہوتے ہیں جبکہ آمدنی کو برابر برابر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ دوسری منفرد زرعی آبادی ''موشاو'' (Moshav) کہلاتی ہے۔اس بستی میں ہر گھرانے کی اپنی زمین ہوتی ہے اور وہی اس پر کام کرتا ہے جبکہ زرعی مداخل اور پیداوار کی خرید و فروخت کا عمل باہمی تعاون سے ہوتا ہے۔ حالیہ برسوں میں ان دونوں نظاموں میں وسیع نظریاتی اور ساختیاتی (Ideological and Structural) تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں، تاہم یہ اب بھی ملکی زرعی پیداوار کا بہت بڑا حصہ فراہم کر رہی ہیں۔ مثال کے طور پر 1999ء میں علاقے کی زرعی پیداوار میں ان کا حصہ تین چوتھائی تھا۔

اسرائیل میں پھلوں کی پیداوار

اسرائیل میں آب و ہوا کے تنوع اور زمین کی متنوع صورتِ حال کی وجہ سے مختلف قسموں کے پھلوں کی پیداوار ممکن ہوگئی ہے۔اسرائیل میں رس دار ترشاوا پھلوں، لیچی، امرود، آم، کیلے، کھجور، سیب، ناشپاتی اور چیری کے باغات لگائے گئے ہیں۔ اسرائیل کی متنوع موسمی صورتِ حال کی وجہ سے بے موسمی پھلوں کی پیداوار بھی ممکن ہوگئی ہے۔

کرنسی کے اتار چڑھاؤ کے نتیجے میں دوسرے ملکوں میں قیمتیں کم ہونے کی وجہ سے اسرائیل میں پھلوں کی کاشت اور پیداوار پر بہت اثر پڑا۔ 1996ء میں اسرائیل نے 2780 لاکھ ڈالر کے پھل برآمد کیے تھے لیکن 2000ء میں 1920 لاکھ ڈالر کے پھل برآمد کیے۔ زیادہ کمی ترشاوا پھلوں کی برآمد میں ہوئی ہے۔ ترشاوا پھلوں کی بیرونِ ملک کل فروخت میں نصف کمی ہوئی ہے۔ اس کے نتیجے میں اسرائیل میں ترشاوا پودوں کی کاشت کے رقبے میں 16 فی صد کمی آئی ہے۔ سیاسی حالات کی وجہ سے محنت کشوں کی تعداد میں کمی نے بھی اسرائیل میں پھلوں کی پیداوار پر منفی اثر ڈالا ہے۔ تاہم صورتِ حال کا مثبت پہلو بھی ہے۔ کاشت کاروں نے جدید ترین زرعی ٹیکنالوجی استعمال کر کے بعض پھلوں کی پیداوار میں اضافہ بھی کیا ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ جہاں 2000ء میں ترشاوا پھلوں کی پیداوار میں 16 فی صد کمی ہوئی وہاں ان سے ہونے والی آمدنی میں صرف 6 فی صد کمی ہوئی۔

گزشتہ صدی کے آغاز میں انگوروں کو تجارتی مقاصد کے لیے کاشت کیا جانا شروع ہوا تھا۔ اب انگوروں کی بے شمار اقسام کاشت کی جا رہی ہیں جن میں انعام یافتہ سُرخ اور سفید انگور بھی شامل ہیں۔ صحرائی علاقوں میں کاشت کیے گئے انگوروں کو دوبارہ قابلِ استعمال بنائے گئے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ یہ انگور دنیا میں اپنی نوع میں سرِفہرست ہیں۔

اسرائیل کی برآمدات میں تُرشاوا پھلوں کا حصہ ہمیشہ بہت زیادہ رہا ہے۔ آج بھی ترشاوا پھل مقدار کے اعتبار سے اسرائیلی زرعی برآمدات میں تیسرے نمبر پر ہیں۔ اسرائیل ہر سال 25000 ٹن مالٹے، سُرخ اور سفید انگور، لیموں کے علاوہ پھلوں کے جُوس اور دوسری پروڈکٹس برآمد کرتا ہے۔ اب اسرائیلی زرعی سائنس دان ترشاوا پھلوں کی ایسی قسمیں ایجاد کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں جن میں بیج کم ہوں، جو زیادہ عرصہ تازہ رہ سکیں اور جن کی شکل و صورت دلکش ہو۔

سبزیاں

اسرائیل میں سبزیوں کی کاشت کو ایک فن (آرٹ) بنا دیا گیا ہے۔ اسرائیلی کاشت کار سبزیاں کی بہتر پیداوار کے لیے سبزیوں کی عمدہ اقسام، اعلیٰ کھادیں اور آبپاشی کے جدید ترین طریقے استعمال کرتے ہیں۔ اسرائیلی کاشت کار مخصوص فصلوں کے لیے گرین ہاؤس کورز (Greenhouse Covers) استعمال کرتے ہیں اور نت نئے زرعی آلات سے مدد لیتے ہیں۔ فصل کھیت سے اٹھانے کے بعد اس کی دیکھ بھال جدید ذرائع سے کی جاتی ہے۔ اَب اسرائیلی کاشت کار زیادہ منافع بخش فصلوں کی کاشت پر توجہ دے رہے ہیں جس کے نتیجے میں مختلف جڑی بوٹیوں اور مشروم کی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے۔

اسرائیل کی مجموعی زرعی پیداوار میں سبزیوں کا تناسب 17 فی صد ہے۔ 2000ء میں اسرائیلی کاشت کاروں نے 12 لاکھ ٹن کے لگ بھگ سبزیاں پیدا کیں، جن میں سے 150000 ٹن سبزیاں برآمد کر دی گئیں۔ سبزیوں کی اتنی زیادہ مقدار حاصل کرنے کے لیے جدید ترین ٹیکنالوجیز استعمال کی جاتی ہیں، جن میں مٹی سے عاری گرین ہاؤسز (Soil-Less Greenhouses) اور کلائمیٹ کنٹرول سسٹمز (Climate Control Systems) شامل ہیں۔ 1990ء سے 1999ء کے درمیانی عرصے میں سبزیوں کی کاشت کے لیے گرین ہاؤسز کا رقبہ تین گنا ہو کر 3000 ہیکٹر تک پہنچ گیا۔ کھلے کھیتوں میں اُگائے جانے والے ٹماٹروں کی پیداوار 80 ٹن فی ہیکٹر تک پہنچ گئی جبکہ کنٹرولڈ کلائمیٹ کنڈیشنز میں گرین ہاؤسز میں اُگائے جانے والے ٹماٹروں کی اوسط پیداوار 200 سے 300 ٹن ہے۔ سرد آب و ہوا والے ملکوں کے مقابلے میں اسرائیل دھوپ اور اونچے درجۂ حرارت کی وجہ سے اعلیٰ معیار کی سبزیاں بے موسم بھی پیدا کر رہا ہے۔ گزشتہ چند برسوں سے ٹماٹروں اور خربوزوں کی بعض اقسام صحرا میں اُگائی جا رہی ہیں، جنہیں دوبارہ استعمال کے [illegible] بنائے گئے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ انہیں ''صحرائی مٹھائی'' (Desert Sweet) کے برانڈ نام (Brand Name) سے فروخت کیا جاتا ہے۔

دیگر فصلیں

اسرائیل کی دو تہائی فصلیں ایسی زمین پر اگائی جاتی ہیں جو آبپاشی کی سہولتوں سے محروم ہیں یعنی انہیں بارانی علاقوں میں کاشت کیا جاتا ہے۔ ان فصلوں میں گندم اور جو سرفہرست ہے۔ ان کے علاوہ کپاس، سورج مکھی، پھلیاں، مکئی، مونگ پھلی اور تربوز کاشت کیے جاتے ہیں۔ چونکہ پانی کم ہے اس لیے کاشت کار فصلوں کی ایسی اقسام کاشت کرنے پر توجہ دے رہے ہیں، جنہیں کم پانی کی ضرورت ہے یا جو پانی کے بغیر اُگتی ہیں۔ اس کے علاوہ دوبارہ استعمال کے قابل بنائے گئے گندے پانی کو آب پاشی کے لیے زیادہ استعمال کیا جارہا ہے۔

جہاں تک رقبے کا تعلق ہے تو گندم پہلے نمبر پر ہے۔ اسرائیل میں ایک لاکھ ہیکٹر رقبے پر گندم کاشت کی جاتی ہے۔ بدّو کاشت کار تقریباً 20000 ہیکٹر پر گندم کاشت کرتے ہیں۔

کپاس کی کاشت کا انحصار بازاری قیمتوں (Market Prices) پر ہے۔ 1998ء میں تقریباً 31000 ہیکٹر رقبے پر کپاس کاشت کی گئی تھی، 2000ء میں 9500 ہیکٹر اور 2001ء میں 15400 ہیکٹر پر۔ کپاس کی تقریباً ساری فصل کو ''ڈرپ اری گیشن'' (Drip Irrigation) کے ذریعے سیراب کیا جاتا ہے اور زیادہ تر صاف شدہ سیویج کو کام میں لایا جاتا ہے۔ اسرائیل کپاس کی فی یونٹ پیداوار کے حوالے سے دنیا کے اونچی شرح پیداوار والے ملکوں میں شامل ہے۔ اسرائیل اپنی کپاس کی تمام کی تمام پیداوار برآمد کر دیتا ہے۔ اگرچہ اسرائیل تھوڑے رقبے پر کپاس کاشت کرتا ہے تاہم یورپ کی مارکیٹ میں اسرائیلی پیما (Pima) کپاس کا حصہ 20 فی صد ہے۔ کپاس کی تمام کاشت مشینی ہے اور ہر ورکر سالانہ 10000 ڈالر مالیت کی کپاس پیدا کرتا ہے۔

ڈیری فارمنگ

ڈیری مصنوعات اسرائیل کی مجموعی زرعی پیداوار کا 17 فی صد ہیں۔ کئی سال تک اسرائیل دودھ کی پیداوار کے حوالے سے ورلڈ ریکارڈ ہولڈر رہا ہے۔ اسرائیل میں 3.3 فی صد چکنائی والا دودھ سالانہ 10200 کلوگرام فی گائے حاصل کیا جاتا رہا ہے۔

یہ کوئی اتفاقی امر نہیں تھا بلکہ اتنی بڑی مقدار میں دودھ حاصل کرنے کے لیے جدید ترین ذرائع استعمال کیے گئے تھے۔ اس حوالے سے چند اہم اقدامات درجِ ذیل ہیں:

☆ ایسی گائیں پیدا کی گئیں جو اسرائیل کی گرم آب و ہوا کا مقابلہ کر سکتی تھیں۔ اس مقصد کے لیے اسرائیل ہولسٹائن نامی خصوصی گائے پیدا کی گئی تھی، جو بیماریوں کی مدافعت کی صلاحیت رکھتی تھی اور دودھ بہت زیادہ مقدار میں دیتی تھی۔ اسرائیل میں گایوں کی نسل افروزی کمپیوٹرائزڈ پروڈکشن ڈیٹا اور جینیاتی عوامل کی اساس پر مصنوعی تخم ریزی کے ذریعے کی جاتی ہے۔ چونکہ اسرائیل میں چارہ اُگانے کے لیے زمین نہیں ہے اس لیے مویشیوں کو چوکر ہی کھلائی جاتی ہے، جس میں غذائیت سے بھرپور قوت بخش کیمیکلز شامل ہوتے ہیں۔

☆ اسرائیل میں مویشیوں کو ان کی عمر کے مطابق غذا دی جاتی ہے۔ اس سارے عمل کو کمپیوٹر کنٹرول کرتا ہے۔ کمپیوٹر کی مدد سے کاشت کار جان سکتے ہیں کہ دودھ دینے والے مویشی کو کتنی خوراک دینی ہے اور دودھ نہ دینے والے مویشی کو کتنی، نیز بچھڑوں کو کتنی مقدار میں خوراک دینا مناسب ہے۔ کاشت کاروں کو وائرلیس کے ذریعے کام کرنے والے موبائل کمپیوٹر فراہم کیے گئے ہیں جن کی مدد سے وہ اپنا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

یہ کمپیوٹر ہر بار دوہے جانے پر گائے کے دودھ دینے کی شرح کو جانچتے ہیں اور بیماریوں سے خبردار کرتے ہیں۔ ڈیری پارلرز (Dairy Parlors) میں کمپیوٹرائزڈ کلائمیٹ کنٹرول سسٹمز استعمال کیے جاتے ہیں۔

اسرائیل کا ڈیری مصنوعات کا شعبہ تمام ملکی ضروریات پوری کرتا ہے۔ اضافی مکھن سے مختلف قسم کی ڈیری مصنوعات تیار کی جاتی ہیں۔ 1990ء کی دہائی تک اسرائیلی حکومت منصوبہ سازی اور کوٹوں (Quotas) کی ایک سخت پالیسی کے ذریعے اس شعبے کو چلاتی رہی ہے۔ اب حکومت ریگولیٹڈ قیمتوں کو کم کر رہی ہے اور پیداواری اخراجات گھٹانے کے لیے چھوٹی ڈیریز (Dairies) کو مل کر بڑی کمپنی بنانے کی تحریک دے رہی ہے۔ ان اقدامات سے منافعے کم ہو گئے ہیں اور 300 چھوٹی ڈیریز بند ہو گئی ہیں۔ حالیہ برسوں میں اسرائیل میں بھیڑ اور بکری سے دودھ حاصل کرنے کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے جبکہ اس دودھ سے تیار کردہ پنیر بھی کافی زیادہ مقدار میں برآمد کی جا رہی ہے۔

اسرائیل نے ڈیری مصنوعات کے شعبے میں جتنی علمی ترقی کی ہے، دنیا کے دوسرے ملک بھی اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ دنیا کے کئی ملک اسرائیلی بیلوں کے سپرم (Sperm) درآمد کر رہے ہیں۔ ڈیری اور اس متعلقہ دوسری برآمدات میں بچھڑے دودھ دوہنے کے کمپیوٹرائزڈ آلات اور خوراک دینے کے نظام، کولنگ سسٹمز، دودھ کی پروسینگ کے لیے منی ڈیریز (Mini-Dairies)، نامیاتی فضلے کو ری سائیکل کر کے مویشیوں کی غذا بنانے کے سسٹمز، اور جانوروں کے گوبر کو ری سائیکل کر کے کھاد بنانے کے سسٹمز شامل ہیں۔ یہ سارے آلات اور نظام حکومتی اداروں نے تیار کیے ہیں اور وہی انہیں برآمد کرتے ہیں۔

پولٹری اور گوشت

پولٹری اسرائیلی زرعی پیداوار کا ایک اہم حصہ ہے۔ 1976ء سے 2000ء کے دوران اسرائیل میں گوشت کی پیداوار میں 1.5 گنا اضافہ ہوا ہے۔ اسرائیل سالانہ 400000 ٹن گوشت پیدا کرتا ہے اور اس وقت گوشت کی پیداوار اسرائیل کی ایک اہم صنعت کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔ اسرائیلی شہری انڈوں اور مرغی کے گوشت کی فی کس شرح استعمال کے اعتبار سے دنیا کے نمایاں ترین ملکوں میں شامل ہیں۔ اس کی عکاسی نہ صرف

مویشی پالنے والوں اور ڈیری پروڈیوسرز کے انتہائی منظم نیٹ ورک سے ہوتی ہے بلکہ پولٹری انڈسٹری کے لیے مقامی کمپنیوں کے تیار کردہ خصوصی آلات سے بھی۔ مرغیاں پالنے والے لوگ مرغیوں کی ایسی اقسام پالتے ہیں جو گرمی برداشت کر سکتی ہیں اور بیماریوں کی مدافعت کے قابل ہیں۔ ان کی نشوونما کی شرح بہت اونچی ہے، یہ انڈے زیادہ دیتی ہیں اور ان کے گوشت میں چکنائی کم ہوتی ہے۔

اسرائیل میں انڈوں کی تعداد ملک کی مجموعی پولٹری پیداوار کا 20 فی صد ہے۔ کھانے کے لیے حاصل ہونے والے انڈوں کی اوسط تعداد فی لیئر (Layer) 250 ہے۔ برائلر ہاؤسز کے فی مربع میٹر سے پانچ ادوار میں سالانہ 150 کلوگرام گوشت حاصل ہوتا ہے۔

ٹرکی (Turkey) کے گوشت کے فی کس استعمال کے اعتبار سے اسرائیل دنیا میں پہلے نمبر پر ہے۔ جبکہ یہ انڈسٹری اسرائیل کی گوشت کی مجموعی پیداوار کا تیسرا حصہ فراہم کرتی ہے۔

میٹ پروسیسنگ (Meat Processing) کے علاوہ بریڈنگ اور برائیلر فارمز (Breeding and Broiler Farms) مکمل طور پر آٹو میٹڈ (Automated) ہیں۔ آٹو میشن کی اعلیٰ سطح، صحت بخش ماحول اور بیماریوں سے محفوظ نسلوں کی پرورش سے گوشت کی بہت زیادہ مقدار حاصل کرنا ممکن ہوگئی ہے۔ ٹرکی (Turkey) کی بہت بڑی مقدار برآمد کر دی جاتی ہے، جسے زیادہ مغربی یورپ بھیجا جاتا ہے۔

2000ء میں 106000 ٹن میں سے 62 فی صد بڑا گوشت درآمد کیا گیا تھا۔ اسرائیل میں بڑے گوشت کا استعمال پولٹری کے مقابلے میں صرف 29 فی صد ہے۔ اس رجحان کی ایک وجہ عادت ہے، اور ایک وجہ قیمتیں ہیں۔ چراگاہوں کا نہ ہونا بھی بڑے گوشت کی پروڈکشن میں ایک رکاوٹ ہے۔ گو کہ مختلف قسم کی گھاس متعارف کروا کر اور نئی ٹیکنالوجیوں کی مدد سے چراگاہوں کے رقبے کو وسعت دی جا رہی ہے۔ 1990ء سے 2000ء کے درمیان مویشیوں کی تعداد میں 21 فی صد اضافہ ہوا ہے، جبکہ پیداوار میں

50000 سے 80000 ٹن اضافہ ہوا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حکومت نے بچھڑوں کی درآمد پر سے پابندی اٹھالی تھی۔ 1998ء میں 26000 بچھڑے درآمد کیے گئے تھے جبکہ 2000ء میں 28000 بچھڑے درآمد کیے گئے۔

اسرائیل میں جتنی مقدار میں مچھلی استعمال کی جاتی ہے، اس کا دو تہائی درآمد کیا جاتا ہے۔ مچھلی کی طلب میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ 1994ء میں فی کس 11.7 کلوگرام مچھلی استعمال کی گئی جبکہ 2001ء میں اس کے استعمال میں 13 فی صد اضافہ ہو گیا تھا۔ بڑھتی ہوئی طلب کی وجہ سے اسرائیل میں مچھلی کی پیداوار کے لیے اقدامات زیادہ تیزی سے کیے جانے لگے ہیں، بالخصوص ملک کے جنوبی بارانی علاقے میں۔ 1990ء کی دہائی میں مچھلی کی پیداوار میں 25 فی صد اضافہ ہوا۔ مچھلی کی پیداوار بڑھانے کے لیے تین پہلوؤں پر زور دیا جا رہا ہے:

i) مصنوعی تالابوں میں مچھلی کی افزائش۔
ii) بحیرۂ روم اور خلیج ایلات میں تیرتے ہوئے پنجروں میں مچھلی کی افزائش کی جا رہی ہے۔
iii) کنیر یٹ نہر میں سے مچھلیاں پکڑی جا رہی ہیں۔ پانی کی کفایت کے لیے ڈھکے ہوئے تالابوں کا نظام اپنایا گیا ہے، جنہیں بائیو فلٹرز کے ذریعے پانی دیا جاتا ہے اور آکسیجن گزاری جاتی ہے۔ کھلے تالابوں کے مقابلے میں ڈھکے ہوئے تالابوں سے 400 فی صد زیادہ مچھلیاں حاصل کی گئیں۔ اسی طرح نجف اور اراوا میں ڈھکے ہوئے ''ببل'' یا ''ٹینٹ'' سسٹمز کے استعمال سے اتنی ہی متاثر کن مقدار میں مچھلیاں حاصل کی گئی ہیں۔ مچھلیوں کے تالابوں سے گزرنے والے پانی سے گرین ہاؤس ٹماٹروں سے لے کر چارے تک کو سیراب کیا جاتا ہے۔ ان اقدامات کے نتیجے میں درآمدی مچھلی کی طلب میں کمی آ گئی ہے۔

پھول

اسرائیل کی برآمدات میں پھولوں کا حصہ بہت بڑا یعنی 29 فی صد ہے۔ اسرائیل میں پھولوں کے لیے مخصوص کیے گئے فارم بین الاقوامی کے تناظر میں تو چھوٹے ہیں لیکن

نہایت منافع بخش ہیں۔ حالیہ برسوں میں یورپی کرنسیوں کے مقابلے میں شیقل کی گرتی ہوئی قدر کی وجہ سے آمدنیوں میں کمی ہوئی ہے۔ کاشت کاروں کی مہارت، نجی اور حکومتی ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ اور فیلڈ سروس پروویژن کی وجہ سے 100 سے زیادہ اقسام کے انتہائی اعلیٰ معیار کے پھول پیدا کیے جا رہے ہیں۔ اسرائیل میں گرمیوں میں ایسے پھول اگائے جاتے ہیں جنہیں یورپ میں سردیوں کا موسم آنے پر وہاں برآمد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ پھولوں کے کاشت کاروں کی تعداد میں نمایاں کمی آئی ہے تاہم پھولوں کی پیداوار 1.4 ارب پھول سالانہ تک پہنچ گئی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ٹیکنالوجیکل ترقی اور پیداوار کے جدید نظام ہیں۔ پھولوں کی کاشت کے لیے مخصوص کیے گئے رقبے کا نصف جدید ترین کمپیوٹرائزڈ گرین ہاؤسز پر مشتمل ہے جبکہ 12 فی صد علاقہ حفاظتی جالوں سے ڈھکا ہوا ہے۔

آج کل بعض جدت پسند کاشت کار انٹرنیٹ کے ذریعے پھولوں کا کاروبار کر رہے ہیں۔ بعض کاشت کار ہالینڈ، بیلجیئم، جرمنی اور کئی دوسرے ملکوں سے پھولوں کے آرڈر براہِ راست حاصل کر رہے ہیں۔ بایں ہمہ پھولوں کو ایک نئی پرائیویٹ کمپنی اے وِیو (Aviv) کے ذریعے برآمد کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت اور کاشت کاروں کے باہمی اشتراک سے کام کرنے والی پرانی کمپنی ایگریکسو (Agrexco) بھی پھول برآمد کرتی ہے۔ اس کمپنی کے ہوائی اور بحری ٹرمینل اسرائیل اور یورپ میں موجود ہیں، جس سے پھولوں کی مارکیٹ میں بروقت اور بحفاظت فراہمی ممکن ہوگئی ہے۔ ''فلاور پروڈکشن اینڈ مارکیٹنگ بورڈ'' کاشت کاروں کو پھولوں کی فروخت کے متعلق روزانہ اطلاعات فراہم کرتا ہے۔

آرائشی پودے

آرائشی پودوں کی کاشت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ 2000ء میں 12 کروڑ ڈالر کے آرائشی پودے دنیا کے مختلف ملکوں کو برآمد کیے گئے۔ ان میں سے زیادہ پودے یورپ کو برآمد کیے گئے۔

یہ پودے اسرائیل کی گرم آب و ہوا میں ایک موسم یا ایک سال رکھ کر یورپ

درآمد کیے جاتے ہیں، جس سے یورپی لوگوں کا وقت اور توانائی بہت زیادہ بچ جاتے ہیں۔ کسی زمانے میں پھول ترشاوا پھلوں کی نسبت بہت کم تعداد میں برآمد کیے جاتے تھے جبکہ اس وقت پھول اور آرائشی پودے برآمدات میں پہلے نمبر پر ہیں۔ آر اینڈ ڈی میں مسلسل سرمایہ کاری سے ان کی فروخت میں مسلسل اضافہ یقینی ہوا ہے۔ اسرائیلی کاشت کار بھرپور عزم، جدید آلات ووسائل اور مارکیٹ کے متعلق تازہ ترین معلومات کے حامل ہونے کی وجہ سے آنے والے برسوں میں پھولوں اور آرائشی پودوں کی برآمدات میں اضافہ کرنے پر کمربستہ ہیں۔

زراعت: مزید اہم معلومات

اگرچہ اسرائیلی زراعت روزگار کے صرف 5 فی صد مواقع مہیا کر رہی ہے اور قومی پیداوار میں اس کا حصہ 6 فی صد ہے، تاہم اس نے اسرائیلی کلچر اور تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بے پناہ انسانی محنت کے ذریعے صحراؤں کو کاشت کے قابل بنا دیا گیا ہے۔

حکومت نے زیر کاشت رقبے میں اضافے کے لیے ''اسرائیلی نیشنل واٹر کیریئر'' (INWC) نامی منصوبے کو مکمل کیا ہے، جس کے ذریعے گیلیلی سمندر سے پانی لایا جا رہا ہے۔

اسرائیل کا زرعی شعبہ 1.2 ارب کیوبک میٹر پانی سالانہ استعمال کرتا ہے جس میں سے 90 کروڑ کیوبک میٹر پانی پینے کے قابل ہوتا ہے۔ اسرائیل نے اپنے پانی کے محدود ذخائر کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے کے لیے آب پاشی کے بہت سے جدید طریقے ایجاد کیے ہیں۔

ڈرپ اری گیشن

ڈرپ اری گیشن کے ذریعے ایک گھنٹے میں ایک لیٹر سے 20 لیٹر تک پانی فراہم کیا جا سکتا ہے۔ اس طریقے سے فراہم کیا جانے والا 95 فی صد پانی استعمال میں آ

جاتا ہے۔

گرین ہاؤسز میں کاشت کی جانے والی فصلوں کو زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔گرین ہاؤسز کے لیے ڈیزائن کیے جانے والے ڈرپ اری گیشن سسٹم میں پانی کا بہاؤ 200 سی سی فی گھنٹہ ہوتا ہے۔اس طریقۂ آب پاشی کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ یہ نمی کو یکساں مقدار میں پھیلاتا ہے۔اس طرح کم پانی ضائع ہوتا ہے۔پانی کے پائپوں میں اس اَمر کا خصوصی انتظام کیا جاتا ہے کہ ریت یا مٹی کے ذرّے پائپ میں نہ پھنسیں۔

سپرے اری گیشن

اس طریقے میں ہر درخت کو الگ فوارے سے پانی دیا جاتا ہے۔گرین ہاؤسز اور باغوں کے لیے خصوصی سپرے آلات تیار کیے گئے ہیں۔

سپرنکلر اری گیشن

سپرنکلر ایسی فصلوں کے لیے ڈیزائن کیے گئے ہیں، جن میں پورے کھیت کو پانی دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔سپرنکلر کے ذریعے پانی کا استعمال 70 سے 80 فی صد ہوتا ہے۔

ان سارے طریقوں پر کمپیوٹر کے ذریعے عمل کیا جا سکتا ہے۔کمپیوٹر کے استعمال سے فصلوں کو پانی دینے کا کام زیادہ درستی کے ساتھ انجام پاتا ہے جبکہ افرادی قوت بھی بچتی ہے۔جب سسٹم کو معلوم ہوتا ہے کہ پانی یا کھاد کی مقدار میں فرق آ رہا ہے تو وہ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔کمپیوٹرائزیشن کی وجہ سے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ پانی دینے کے عمل میں وقفوں کا پیشگی تعین کر دیا جائے۔اس سسٹم میں شامل سینسرز مطلوبہ وقفوں کے تعین میں مدد دیتے ہیں۔

موائسچر سینسرز کو زمین میں دبا دیا جاتا ہے جو مٹی میں نمی کی سطحوں کی نشان دہی کرتا ہے۔پلانٹ سینسر جڑ یا پھل کے ڈایا میٹر میں فرق کو محسوس کر کے آب پاشی کے وقفوں کا تعین کرتا ہے۔یہ سینسرز کمپیوٹر سے براہِ راست منسلک ہوتے ہیں جس کی وجہ سے آب پاشی کے نظام خودکار انداز میں کام کرتے ہیں۔

گرین ہاؤسز

گرین ہاؤس کاشت کاری کو اسرائیل میں حالیہ برسوں میں خاصا فروغ ملا ہے۔
چونکہ گرین ہاؤسز کی تعمیر اور دیکھ بھال پر بہت زیادہ سرمایہ کاری کی جاتی ہے اس لیے انہیں زیادہ تر قیمتی فصلوں کی کاشت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ گرین ہاؤس بالخصوص چھوٹے کاشت کار گھرانوں کے لیے موزوں ہوتے ہیں جن کے پاس زمین بھی کم ہوتی ہے اور پانی بھی۔ گرین ہاؤس میں فی ہیکٹر 300 ٹن ٹماٹر فی موسم پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مقدار کھلے کھیت سے حاصل ہونے والے ٹماٹروں کی مقدار سے چار گنا زیادہ ہے۔ مزید برآں حال ہی میں مچھلیوں اور مرغیوں کی افزائش کے لیے پلاسٹک کے گرین ہاؤسز متعارف کروائے گئے ہیں۔

اسرائیل میں گرین ہاؤسز کو زیادہ تر پھولوں، سبزیوں، آرائشی پودوں اور مصالحوں کی کاشت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

گرین ہاؤس کی ساخت

اسرائیل میں ایسے جدید ترین گرین ہاؤس استعمال کیے جا رہے ہیں جو سخت سے سخت موسمی تغیرات کو برداشت کر سکتے ہیں۔ نئے گرین ہاؤس 5 میٹر تک اونچے ہیں، جن میں نکاسیٔ ہوا کا انتظام بہتر ہو گیا ہے۔ اسرائیل میں ایسے گرین ہاؤس ہونے چاہئیں تھے جو 180 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی ہوا کا دباؤ برداشت کر سکیں، تاہم سائنس دانوں نے اس سے بھی زیادہ مضبوط گرین ہاؤس تیار کیے ہیں۔

گرین ہاؤسز میں دن کے وقت ٹھنڈک اور رات کے وقت حرارت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یہ ٹیکنالوجی اسرائیلی سائنس دانوں نے ایجاد کی ہے۔ یہ مقصد بہت کم مقدار میں توانائی استعمال کرتے ہوئے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایک شاور سسٹم استعمال کیا جاتا ہے۔ جو یکساں جسامت کے قطروں کی پھوار کرتا ہے۔ اسے گرین ہاؤس کے ایک سرے پر نصب کیا جاتا ہے۔ دن میں پانی کے قطرے حرارت کو جذب کر لیتے ہیں

اور رات ہونے تک اسے محفوظ رکھتے ہیں اور رات ہونے پر اسے فضا میں چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ طریقہ آرائشی پودوں کے لیے بالخصوص موزوں ہے، جنہیں زیادہ نمی اور درجۂ حرارت کے کم تغیر کی ضرورت ہوتی ہے۔

کمپیوٹرائزڈ گرین ہاؤسز

اسرائیلی سائنس دانوں نے ایسے کمپیوٹر ہارڈ ویئر اور سافٹ ویئر تیار کیے ہیں جو گرین ہاؤس کے پانی، کھاد اور آب و ہوا کے نظاموں کو خودکار انداز میں کنٹرول کرتے ہیں۔ سافٹ ویئر ڈیویلپرز کاشت کاروں سے قریبی رابطے میں رہتے ہیں اور زرعی نظاموں میں ہونے والی جدید ترین ترقی سے آگاہ رہتے ہیں، جس سے انہیں مسائل کے انتہائی موثر اور جدید حل مہیا کرنے میں مدد ملتی ہے۔

بیسواں باب

ایک انوکھی صنعت

○ شراب اور قدیم اسرائیل ○ برطانوی وزیرِ اعظم کا دلچسپ تبصرہ
○ جدید اسرائیلی صنعتِ شراب سازی کا بانی ○ انقلابِ مے
○ بوتیک ریوولیوشن ○ انگوروں کی کاشت کے علاقے

اسرائیل شراب سازی میں عالم گیر شہرت رکھتا ہے۔ اسرائیل میں وائن انڈسٹری (Wine Industry) بہت وسیع ہے۔ یہاں چند ہزار بوتل بوتلیں سالانہ تیار کرنے والی چھوٹی بوتیک اینٹر پرائزز (Boutique Enterprises) سے لے کر ایک کروڑ بوتلیں سالانہ تیار کرنے والے شراب ساز کارخانے تک موجود ہیں۔

شراب اور قدیم اسرائیل

اسرائیل میں شراب بائبلی عہد (Biblical Times) سے تیار کی جا رہی ہے۔ قدیم ارضِ اسرائیل میں یورپ میں شراب سازی کا آغاز ہونے سے دو ہزار سال پہلے شراب تیار کی جاتی تھی۔ بائبلی عہد میں شراب سازی کو اسرائیلی معیشت میں اہم مقام حاصل تھا اور وہ خاص رسوماتی اہمیت کی حامل تھی۔ قدیم اسرائیل میں گیوون کا شہر شراب سازی کا مرکز تھا۔ 1959ء اور 1960ء میں آثارِ قدیمہ کی کھدائی کے دوران قدیم شراب ساز کارخانے دریافت ہوئے۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ قدیم گیوون میں 600 قبل از مسیح سے 700 قبل از مسیح میں شراب کشید کی جایا کرتی تھی۔

70ء میں رومنوں نے جوڈیا کو فتح کیا تو بے شمار تاکستان (انگوروں کے باغ Vineyard) اُجاڑ دیے۔ جب 636ء میں اس خطے پر مسلم حکمرانی کا آغاز ہوا تو اس کے بعد 1200 سال تک شراب سازی کا کام بند ہو گیا۔

برطانوی وزیرِ اعظم کا دلچسپ تبصرہ

قدیم اسرائیلی شراب کی کوالٹی آج کے زمانے کی شراب کی کوالٹی سے بہت مختلف ہوتی تھی۔ وہ گاڑھی اور میٹھی ہوتی تھیں۔ موجودہ دور کا کوئی مے نوش ان شرابوں کو پسند نہیں

کرے گا۔

1870ء کی دہائی میں اسرائیل میں جو شراب تیار کی جاتی تھی وہ سرخ اور میٹھی ہوتی تھی۔ 1857ء میں برطانوی وزیرِ اعظم بنجامن ڈزرائیلی کو سرخ ''کوشر'' شراب کی بوتل پیش کی گئی۔ اس نے شراب کی چند چسکیاں بھرنے کے بعد تبصرہ کیا کہ ''اس کا ذائقہ شراب جیسا نہیں بلکہ کھانسی کے شربت جیسا ہے۔''

جدید اسرائیلی صنعتِ شراب سازی کا بانی

اسرائیل کی شراب سازی کی جدید صنعت کا بانی بیرن ایڈمنڈ جیمز ڈی روتھ شیلڈ تھا۔ اس نے 1882ء میں اس خطے میں آنے والے یہودیوں کو شراب سازی کے لیے مالی مدد دی۔ روتھ شیلڈ نے خود بھی شراب سازی کے دو بڑے کارخانے لگائے۔

1900ء میں ''کارمل'' کے برانڈ نام سے تیار کی جانے والی اسرائیلی شراب کو پیرس کے ورلڈ فیئر میں سونے کا تمغہ ملا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اسرائیلی شراب کی صنعت دو ہزار سال بعد دوبارہ جنم لے چکی ہے۔ 1960ء کی دہائی تک اسرائیل کو یہ بدنامی برداشت کرنی پڑی کہ اس کی تیار کردہ شراب گاڑھی اور میٹھی ہوتی ہے۔

انقلابِ مے

1980ء کی دہائی میں اسرائیل میں کوالٹی ریوولیوشن (Quality Revolution) شروع ہوا۔ اسرائیلیوں نے کیلیفورنیا سے شراب سازی کے ماہرین کو بلا کر اپنے ہاں ملازمتیں دیں اور ان سے اعلیٰ معیار کی شراب تیار کروائی۔ نہ صرف یہ بلکہ شراب سازوں نے کم معیار کے انگوروں کی خریداری بند کر دی اور کاشت کاروں کو اعلیٰ معیار کے انگور کاشت کرنے کے لیے اچھے معاوضے اور بونس دیئے۔

اب اسرائیل میں 12 بڑے اور تقریباً ایک درجن درمیانے درجے کے شراب ساز کارخانے ہیں۔ جبکہ چھوٹے چھوٹے بے شمار کارخانے شراب سازی کر رہے ہیں۔ اب پوری دنیا میں شراب کے رسیا لوگ اسرائیلی شراب کو منگوا کر استعمال کرنے لگے ہیں۔

اسرائیلی شراب کا معیار اتنا بلند ہو گیا ہے کہ انہیں فرانس کی مشہور شرابوں کے مقابلے میں سراہا جاتا ہے۔

بوتیک ریوولیوشن

یہ ریوولیوشن 1990ء کی دہائی میں شروع ہوا اور 2000ء کی دہائی میں بھی جاری ہے۔ اس دوران پورے اسرائیل میں بوتیک شراب ساز کارخانے (Boutique Wineries) قائم کیے گئے۔ ان میں سب سے مشہور بوتیک ''ڈومین ڈو کیسٹل'' ہے، جو کہ یروشلم کے مغرب میں جوڈیا کی پہاڑیوں میں ہے۔ اس کی تیار کردہ شراب کو تین بار ''وائن آف دی منتھ'' (Wine of the Month) چُنا گیا۔

انگوروں کی کاشت کے علاقے

اسرائیل کو انگور کی کاشت کے پانچ علاقوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

1) گیلیلی:

یہ علاقہ سطحِ سمندر سے بلندی، ٹھنڈی ہواؤں، دن اور رات کے اچھے درجۂ حرارت اور عمدہ مٹی کی وجہ سے اعلیٰ قسم کے انگوروں کی کاشت کے لیے نہایت موزوں ہے۔

2) جوڈیا کی پہاڑیاں:

یہ پہاڑیاں یروشلم کو گھیرے ہوئے ہیں۔ سطحِ سمندر سے بلندی کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا ٹھنڈی ہے اور یہاں اعلیٰ قسم کے انگور اُگائے جا رہے ہیں۔

3) شمشون:

یہ علاقہ جوڈیا کی پہاڑیوں اور ساحلی میدان کے درمیان واقع ہے۔

4) نجف:

آب پاشی کے ڈرپ سسٹم کی وجہ سے اس نیم بارانی صحرائی علاقے میں انگوروں کی کاشت ممکن ہو گئی ہے۔ اس خطے کی آب و ہوا مرلوٹ انگوروں کے لیے موزوں ہے۔

5) شومرون:

یہ بحیرۂ روم کے ساحل کے قریب حیفہ کے جنوب میں ہے۔ یہ اسرائیل کا انگور پیدا کرنے والا سب سے بڑا علاقہ ہے۔

اسرائیل میں مجموعی طور پر تقریباً 4000 ہیکٹر رقبے پر انگور کاشت کیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے اسرائیل دنیا میں سب سے کم رقبے پر انگور کاشت کرنے والا ملک ہے۔ تاہم ملک کے مختلف حصوں کی مختلف آب و ہوا کی وجہ سے اسرائیل میں انگوروں کی بہت ساری اقسام کو اُگانا ممکن ہو گیا ہے۔

اسرائیل اپنی جدید ترین زرعی ٹیکنالوجی کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہاں انگوروں کی کاشت کے لیے بھی جدید ترین ٹیکنالوجی کو استعمال کیا جا رہا ہے۔

اکیسواں باب

اسرائیل میں غربت

- ہر پانچواں اسرائیلی گھرانا غریب ہے
- بھوک کے شکار گھرانے

ہر پانچواں اسرائیلی گھرانا غریب ہے

''انٹر پریس سروس'' (Inter Press Service) کے پیٹر ہرشبرگ (Peter Hirschberg) نے ''غربت اسرائیل کا نیا دشمن'' کے عنوان سے اسرائیل میں غربت کے حوالے سے اہم انکشافات کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اسرائیل میں ہر پانچ گھرانوں میں سے ایک غربت کی لکیر سے نیچے جی رہا ہے جبکہ اوسطاً ہر تین میں سے ایک بچہ غربت کی لکیر سے نیچے زندہ ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ 1600000 اسرائیلی، جن میں 61800 بچے ہیں، غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔

یہ جدید اسرائیل کا ایک تاریک رُخ ہے۔ واضح رہے کہ یہ اعدادوشمار پیٹر ہرشبرگ نے اسرائیل کے نیشنل انشورنس انسٹی ٹیوٹ (NIT) کی سالانہ رپورٹ سے حاصل کیے تھے۔ اس رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ کسی زمانے میں اسرائیل دنیا میں ایک فلاحی ریاست (ویلفیئر سٹیٹ) کی شہرت رکھتا تھا لیکن اب اس کا فلاحی ڈھانچہ ٹوٹ چکا ہے۔ اسرائیل میں بے روزگاری بڑھتے ہوئے 20 فی صد تک پہنچ چکی ہے۔ ملازمتیں کم ہیں جبکہ ملازمتوں کے متلاشی لوگ زیادہ ہیں۔

بھوک کے شکار گھرانے

اسرائیل کے چار لاکھ گھرانے، یعنی 28 فی صد اسرائیلی، ''بھوک'' کے عفریت سے نبردآزما ہیں۔ حکومت ''بھوک'' کے لیے ''غذائی عدم تحفظ'' (Neutritional Insecurity) کی مبہم اصطلاح استعمال کرتی ہے۔ بھوک کے شکار اسرائیلیوں میں 600000 بچے بھی شامل ہیں۔ ''غذائی عدم تحفظ'' کے شکار یہ اسرائیلی ناکافی مقدار میں کھانا کھاتے ہیں یا لوگوں کا جھوٹا بچا کھچا کھانا کھاتے ہیں یا انتہائی صورت میں سارا سارا

دن فاقہ کرتے ہیں۔ ''غذائی عدم تحفظ'' کے شکار اسرائیلیوں کو زیادہ کاربوہائیڈریٹس (Carbohydrates) والی غذا تو کھانے کو مل جاتی ہے البتہ وہ گوشت، دودھ اور دودھ سے بنی ہوئی اشیا، سبزیوں اور پھلوں سے تقریباً محروم ہی رہتے ہیں۔ واضح رہے اسرائیل کے 22 فی صد گھرانوں کو کم عدم تحفظ کا شکار جبکہ 8 فی صد کو بدترین عدم تحفظ کا شکار قرار دیا گیا ہے۔ اوّل الذکر گھرانوں میں ایسے گھرانے شامل ہیں جن میں والدین خود بھوکے رہ کر اپنے بچوں کو کھانا فراہم کر دیتے ہیں جبکہ مؤخر الذکر گھرانوں میں ایسے گھرانے شامل ہیں جن میں والدین کے علاوہ بچے بھی بھوک کا شکار ہوتے ہیں۔

غذائی عدم تحفظ کے شکار اسرائیلیوں میں 60 فی صد یہودی، 20 فی صد عرب اور 20 صد دوسرے ملکوں سے آنے والے یہودی ہیں۔ 24 فی صد اسرائیلی گھرانوں کو بھوک مٹانے کے لیے اپنے دیگر ضرویات کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً دوا علاج، حرارت اور بجلی وغیرہ پھر بھی ان میں سے تقریباً نصف تعداد کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ اگر اسرائیل میں چار افراد .... ماں، باپ اور دو بچوں .... کے گھرانے کی ماہانہ آمدنی 4500 نیو اسرائیلی شیقل (NIS) یا 937.50 ڈالر سے کم ہو تو ایسے گھرانے کو غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے والا گھرانہ قرار دیا جاتا ہے۔

اسرائیل میں غربت اور بھوک کے شواہد گلیوں میں عام دکھائی دیتے ہیں۔ یروشلم کی مثال لیجیے۔ یہاں صرف چار ''سوپ کچنز'' (Soup Kitchens) میں روزانہ 1000 افراد کھانا کھاتے ہیں جبکہ اس شہر کی گلیوں میں بے شمار بوڑھے مرد اور عورتیں کچرے سے کھانے کی اشیا چُن کر کھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسرائیل کے دوسرے شہروں کی صورتِ حال بھی ایسی ہی ہے۔

2003ء کے مقابلے میں 2004ء میں غریب اسرائیلیوں کی تعداد میں ایک لاکھ افراد کا اضافہ ہوا تھا۔

عرب اسرائیلیوں کی بہبود کے لیے کام کرنے والے ایک گروپ ''موساوا'' (Mossawa) کی ایک رپورٹ کے مطابق عرب گھرانے غربت زدہ اسرائیلیوں کے

ایک تہائی پر مشتمل ہیں۔ گروپ کے تخمینے کے مطابق اسرائیل میں رہنے والے کُل عرب بچوں میں سے 60 فی صد غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ اس گروپ نے 2004ء میں بتایا کہ 2003ء کے 48.9 فی صد کے مقابلے میں 2004ء میں غربت زدہ عرب گھرانے 49.9 فی صد ہو گئے۔ 2003ء تک اسرائیل میں چھ سالہ معاشی خوش حالی کا دور ختم ہو گیا اور غریب گھرانوں کا تناسب آبادی کے 18.1 فی صد سے بڑھ کر 19.3 فی صد ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ رپورٹ 2006ء کے اسرائیلی بجٹ کے اعلان سے کچھ پہلے شائع ہوئی تھی۔ اسرائیلی وزارتِ مالیات کے مطابق ''عرب اور ہیریڈی یہودی گھرانے ایسے ہیں جن میں بچوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ان گھرانوں کے زیادہ تر لوگ بے روز گاری کا بھی شکار ہیں۔''

اسرائیلی وزارتِ خزانہ نے مزید سنگین حقیقت یہ بیان کی کہ محولہ رپورٹ میں ان لوگوں کی تعداد شامل نہیں ہے، جو 2005ء میں حکومت کی ویلفیئر پر خرچ کی جانے والے رقوم میں کمی کی وجہ سے غربت اور بے روزگاری کا شکار ہوئے ہیں۔

اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد اسرائیلی صدر موشے کا تساو نے بیان دیا تھا کہ ملک کی معاشی ترقی کے لیے غربت کو کم کیا جانا ضروری ہے۔ این آئی آئی کی اس رپورٹ کی اشاعت سے قبل وزیرِ مالیات بینجامن نیتن یاہو نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اگرچہ نیتن یاہو نے سیاسی مقاصد کے تحت استعفیٰ دیا تھا، تاہم انہیں دوسرے ہر سیاست دان سے زیادہ غربت کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔

اسرائیل میں 2003ء میں بچوں کے الاونسز میں بتدریج کمی کا آغاز ہوا، جس کا سلسلہ 2009ء تک جاری رہے گا۔ اس اقدام کی وجہ سے بھی غربت کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ 2009ء تک بڑے گھرانوں کے الاونسز میں 2003ء کی نسبت 70 فی صد کمی کی جا چکی ہوگی۔ بینک آف اسرائیل کی 2004ء کی رپورٹ کے مطابق بیشتر نئی ملازمتیں جُز وقتی (پارٹ ٹائم) ہیں جبکہ اُجرتیں بھی بہت کم ہیں۔ ممتاز سوشل ایکٹوسٹ اور عبرانی یونیورسٹی کے لیگل کلینکس کے ڈائریکٹر یووال الباش نے کہا ''نیتن یاہو نے بڑے پیمانے پر نج کاری

کی اور بہبود فنڈز میں بہت زیادہ کمی کی، جس کا نتیجہ غربت اور بے روزگاری میں اضافے کی صورت میں نکلا ہے۔'' نیتن یاہو کی پالیسی کا سنگین نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اسرائیل میں معاشی عدم مساوات میں اضافہ ہوا ہے۔

اسرائیلی کے سینٹرل بیورو آف سٹیٹسٹکس (CBS) کی ایک رپورٹ کے مطابق امیروں اور غریبوں کے درمیان فرق گزشتہ برسوں کے 0.370 سے بڑھ کر 0.379 ہو گیا ہے۔ غریبوں کی امداد کرنے والی تنظیم ''یادید'' (Yadid) ایسوسی ایشن کے مطابق اسے پچھلے سال کے مقابلے میں 50 فی صد زیادہ لوگوں نے مدد کے لیے درخواستیں دیں۔ درخواست دینے والوں میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو اپنے ذمے واجب الادا قرض ادا کرنے سے قاصر تھے۔ یادید ایسوسی ایشن کے ڈائریکٹر جنرل ساری ریوکن (Sari Rivkin) کا کہنا ہے، ''ہم ملک میں دو طرح کے غریبوں کو دیکھ رہے ہیں، ایک ''ورکنگ'' غریب ہیں اور دوسرے نئے غریب۔'' ورکنگ غریبوں سے مراد ایسے لوگ ہیں جو بہت تھوڑی اجرتوں پر کام کر کے غربت کے دن گزار رہے ہیں جبکہ نئے غریبوں سے مراد ایسے لوگ ہیں جن کا تعلق درمیانے درجے سے ہیں اور اب وہ ادویات، سکول کی کتابیں اور ایسی ہی دوسری ضروری اشیاء خریدنے سے قاصر ہیں۔

بائیسواں باب

تعلیم اور سائنس و ٹیکنالوجی

○ چیلنجز ○ ایجوکیشن ٹیلی ویژن ○ اسرائیلی یونیورسٹیاں ○ عبرانی یونیورسٹی ○ عبرانی یونیورسٹی کی تاریخ ○ جیوئش نیشنل لائبریری ○ عبرانی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے والی اہم شخصیات ○ اسرائیل کی حکومتی یونیورسٹیوں کے نام اور عالمی درجہ ○ سائنس و ٹیکنالوجی

''دنیا کے وجود کا دارومدار سکول میں پڑھنے والے بچے کے
سانسوں پر ہے۔'' (بابلی تالمود: شبت 119۔ بی)

تعلیم اسرائیل کا ایک قیمتی ورثہ ہے۔ سابقہ نسلوں کی روایت پر عمل کرتے ہوئے تعلیم کو اسرائیل میں بنیادی اہمیت دی گئی ہے اور اسے مستقبل کی کنجی تسلیم کیا جاتا ہے۔ تعلیمی نظام کی بنیاد یہ اصول ہے کہ بچوں کو ایک ایسے معاشرے کے لیے تیار کیا جائے جو جمہوری اور امتزاجی (Pluralistic) ہو، جہاں مختلف نسلی، مذہبی، ثقافتی اور سیاسی پس منظروں کے لوگ مل کر جیئیں۔ یہودی اقدار، وطن سے محبت اور آزادی اور رواداری کے اصول اس تعلیمی نظام کی بنیاد ہیں۔

چیلنجز

جب ریاستِ اسرائیل کا قیام (1948ء میں) عمل میں آیا تو ایک مکمل طور پر فعال تعلیمی نظام رائج تھا، جسے ریاست اسرائیل سے پہلے کی یہودی کمیونٹی نے تشکیل دیا تھا۔ جبکہ انیسویں صدی کے اواخر سے عبرانی کو ذریعہ تعلیم کے طور پر رائج کیا گیا تھا۔ ریاست کے قیام کے فوری بعد تعلیمی نظام کے سامنے یہ بڑا چیلنج آیا کہ 70 سے زیادہ ملکوں سے آنے والے بچوں کو کس طرح تعلیم دی جائے، جبکہ ان میں سے بعض بچوں کے ماں باپ ان کے ساتھ تھے اور بعض اکیلے آئے تھے۔ 1980ء کی دہائی میں جنگِ عظیم دوم کے بعد کے یورپ اور عرب ملکوں سے یہودی بہت بڑی تعداد میں اسرائیل میں آباد ہونے کے لیے آئے۔ اس کے بعد 1960ء کی دہائی میں شمالی افریقہ سے . ت بڑی تعداد میں یہودی

اسرائیل میں آباد ہونے کے لیے آئے، اوراس کے بعد وقفے وقفے سے چھوٹے چھوٹے گروپ آتے رہے۔ 1990ء کی دہائی کے آغاز سے سابق سوویت یونین سے دس لاکھ سے زیادہ یہودی اسرائیل میں آباد ہونے کے لیے آچکے ہیں۔ جبکہ اب بھی ہر سال دسیوں ہزاروں یہودی اسرائیل آرہے ہیں۔ 1984ء اور 1991ء میں دو حصوں میں ایتھوپیا کی تقریباً تمام یہودی کمیونٹی کو اسرائیل لے آیا گیا۔ اس کے علاوہ امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں سے کافی تعداد میں یہودی اسرائیل میں آباد ہونے کے لیے آچکے ہیں۔

اسرائیلی حکومت کو نہ صرف طلباء کے لیے زیادہ کلاس رومز اور اساتذہ کا انتظام کرنا تھا بلکہ اسے مختلف ثقافتی پس منظروں کے حامل بچوں کو آپس میں گھلنے ملنے میں مدد بھی دینا تھا۔ دوسرے ملکوں سے آنے والے بچوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے موزوں نصاب تیار کیا گیا، اس کے علاوہ انہیں ایسے مضامین پڑھانے کے خصوصی انتظامات کیے گئے جو انہوں نے اپنے سابقہ ملکوں میں نہیں پڑھے تھے، مثلاً عبرانی زبان اور یہودی تاریخ۔ ان بچوں کو تعلیم دینے والے اساتذہ کی خصوصی تربیت کا انتظام کیا گیا جبکہ دوسرے ملکوں سے آنے والے یہودی اساتذہ کو اسرائیل میں استاد کی حیثیت سے ملازمتیں دینے کی غرض سے دوبارہ تربیت دی گئی ہے۔

اس دوران وزارتِ تعلیم تعلیمی معیارات کو جدید تعلیمی اصولوں سے ہم آہنگ بناتی رہی مثلاً صنفی مساوات (Gender Equality)، اساتذہ کی اہلیت میں اضافہ، انسان دوستی پر مبنی نصاب کی تیاری اور سائنسی اور ٹیکنالوجیکل تعلیم کا فروغ۔ اس پالیسی کا ایک کلیدی پہلو تمام بچوں کو تعلیم کے یکساں مواقع بہم پہنچانا اور میٹریکولیشن کے امتحان کو پاس کرنے والے طلبا کی تعداد کو بڑھانا تھا۔

ایجوکیشن ٹیلی ویژن

ایجوکیشن ٹیلی ویژن وزارتِ تعلیم کا ایک یونٹ ہے، جو کہ سکولوں کے کلاس رومز میں استعمال ہونے والے پروگرام تیار کرنے کے علاوہ ملک کی عام آبادی کے لیے تعلیمی

پروگرام تیار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ای ٹی وی نئے تعلیمی طریقوں کی تیاری کے لیے یونیورسٹیوں کے اکیڈمک پروفیشنلز اور اساتذہ کے ساتھ مل کر سیمینار منعقد کراتا ہے۔ ای ٹی وی سکول جانے کی عمر سے چھوٹے بچوں کے لیے خصوصی پروگرام تیار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ نوجوانوں کے لیے تفریحی پروگرام، بالغوں کے لیے تعلیمی کورسز اور تمام ناظرین کے لیے خبریں تیار کرتا ہے۔ ای ٹی وی کے دو چینل ہیں اس کی نشریات ہفتے میں چھ دن اور روزانہ دس گھنٹے ہوتی ہے۔

اسرائیلی یونیورسٹیاں

1۔ بار ایلان یورنیورسٹی
2۔ بن گوریان یونیورسٹی
3۔ عبرانی یونیورسٹی
4۔ اوپن یونیورسٹی آف اسرائیل
5۔ ٹیکنیئن (Technion) یونیورسٹی
6۔ تل ابیب یونیورسٹی
7۔ یونیورسٹی آف حیفہ
8۔ ویزمین انسٹی ٹیوٹ

عبرانی یونیورسٹی

یروشلم میں واقع عبرانی یونیورسٹی اسرائیل کی سب سے پرانی اور سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔ یہ اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کا سب سے اہم ادارہ ہے۔ عبرانی یونیورسٹی سمیت اسرائیل میں آٹھ یونیورسٹیاں ہیں۔ عبرانی یونیورسٹی معیار کے اعتبار سے دنیا کی 100 سب سے اہم یونیورسٹیوں میں شامل ہے۔ عظیم سائنس دان آئن سٹائن اس یونیورسٹی کے بانیوں میں شامل تھے۔ عبرانی یونیورسٹی دنیا بھر میں سائنس اور مذہب کی تدریس کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ عبرانی یورنیوسٹی میں یہودی مطالعات (Jewish Studies) کا

سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ اسرائیل کے چار وزیرِ اعظم ایسے تھے جنہوں نے اس یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے علاوہ اسرائیل کے موجودہ صدر، نائب وزیرِ اعظم اور سپریم کورٹ کے صدر بھی عبرانی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ کنیسیٹ کے 25 فی صد اراکین اور سپریم کورٹ کے 15 جسٹس عبرانی یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں۔ سائنس اور معاشیات میں نوبل انعام حاصل کرنے والے کئی افراد عبرانی یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں۔ اس کے علاوہ ممتاز سکالر اور اسرائیل کے اہم پروفیشنلز عبرانی یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں۔ اسرائیل کی کونسل فار ہائر ایجوکیشن نے تعلیمی کارکردگی کے اعتبار سے ملک کی یونیورسٹیوں کی درجہ بندی کی ہے۔ عبرانی یونیورسٹی نے سب سے اونچا درجہ حاصل کیا ہے۔

عبرانی یونیورسٹی کی تاریخ

صیہونی تحریک کا ایک خواب ارضِ اسرائیل میں ایک عبرانی یونیورسٹی قائم کرنا تھا۔ اس یونیورسٹی کے قیام کی تجویز 1884ء میں ہبت زائیون (Hibbat Zion) سوسائٹی کی کیٹووٹز (Cattowitz) کانفرنس میں پیش کی گئی تھی۔ اس یونیورسٹی کے قیام کی تجویز کی حمایت کرنے والوں میں البرٹ آئین سٹائن بھی شامل تھا، جس نے اپنی تمام املاک اور تحریریں یونیورسٹی کے نام کر دی تھیں۔

عبرانی یونیورسٹی کا سنگِ بنیاد 1918ء میں رکھا گیا تھا اور سات سال بعد یکم اپریل 1925ء کو یروشلم میں ماؤنٹ سکوپس پر قائم کیے گئے عبرانی یونیورسٹی کے کیمپس کا افتتاح ہوا۔ یونیورسٹی کے پہلے چیئرمین کائم ویزمین تھے۔ افتتاحی تقریب میں لارڈ آرتھر جیمز بالفور نے بھی شرکت کی تھی۔ یونیورسٹی کے پہلے چانسلر ڈاکٹر جوڈا رہ ماگنیس تھے۔

1947ء تک یونیورسٹی تحقیق و تعلیم کا ایک بڑا ادارہ بن چکی تھی۔ اس میں علومِ انسانی، سائنس، میڈیشن، علم التعلیم اور زراعت کے شعبے قائم ہو چکے تھے، جیوئش نیشنل لائبریری بھی (جو بعد میں نیشنل لائبریری آف اسرائیل بنی) قائم ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ ایک یونیورسٹی پریس اور بالغوں کی تدریس کا ایک مرکز بھی قائم کر دیا گیا تھا۔

1967ء تک یونیورسٹی میں پڑھنے والے طلباء کی تعداد 12500 تک پہنچ چکی تھی جو یروشلم کے کیمپس اور ریہووت (Rehovot) کی زرعی فیکلٹی میں زیر تعلیم تھے۔ 1981ء میں ماؤنٹ سکوپس میں مین کیمپس کی تعمیر مکمل ہوگئی اور یونیورسٹی کے تمام شعبے یکجا ہو گئے۔

جیوئش نیشنل لائبریری

یہ عبرانی یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری ہے۔ کتابوں اور مخطوطوں کی ذخیرہ گاہ کی حیثیت سے جیوئش نیشنل لائبریری دنیا کی اہم ترین لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس لائبریری میں اسرائیل میں شائع ہونے والی تمام مطبوعات محفوظ کی گئی ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ اسرائیل کے حوالے سے دنیا بھر میں شائع ہونے والی مطبوعات کو یہاں محفوظ کیا جائے۔ یہاں 50 لاکھ سے زیادہ کتابیں موجود ہیں جبکہ خصوصی سیکشنوں میں ہزاروں آئٹم (Item) موجود ہیں، جن میں بہت سے نادر و نایاب کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لائبریری کے خصوصی سیکشنوں میں البرٹ آئن سٹائن آرکائیو، عبرانی مخطوطوں کا شعبہ، ایرن لا اور میپ کولیکشن، ایڈلسٹائن سائنس کولیکشن شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مسلم سپین کے یہودی فلسفی ابنِ میمون (Maimonides) کی کتابوں اور مخطوطوں کا گوشہ بھی ہے۔ ان بیش قدر علمی ذخیرہ گاہوں سے نہ صرف یونیورسٹی کے طلبا مستفیض ہوتے ہیں بلکہ ساری دنیا سے لوگ نایاب کتابوں سے استفادے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ اس کے علاوہ عبرانی یونیورسٹی میں بہت سی موضوع وار لائبریریاں بھی ہیں۔

عبرانی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے والی اہم شخصیات

2004ء میں عبرانی یونیورسٹی کے تین گریجوایٹس نے نوبل انعام حاصل کیا:

1۔ ڈیوڈ گروس .... فزکس
2۔ آرون سایکانوور .... کیمسٹری
3۔ اورام ہرشوکو .... کیمسٹری

☆ اسرائیلی صدور: یتز اک ناوون اور موشے کا تساو۔

☆ اسرائیلی وزرائے اعظم: ایہود بارک، اریل شیرون، ایہود اولمرٹ

☆ نائب وزیرِ اعظم: یگال یادین

اسرائیل میں آٹھ حکومتی یونیورسٹیاں ہیں، کوئی درجن کے لگ بھگ کالج اور اعلیٰ تعلیم کے دیگر انسٹی ٹیوٹ ہیں اور ان کے علاوہ درجن بھر غیر ملکی یونیورسٹیوں کی ایکس ٹینشنز (Extensions) بھی ہیں۔ ان سب تعلیمی اداروں کی نگرانی ''کونسل فار ہائر ایجوکیشن اِن اسرائیل'' (CHE) کرتی ہے۔

اسرائیل کی حکومتی یونیورسٹیوں کے نام اور عالمی درجہ

ذیل میں اسرائیل کی حکومتی یونیورسٹیوں کی فہرست دی جا رہی ہے۔ ہر یونیورسٹی کا انگریزی مخفف (اگر استعمال کیا جاتا ہے تو)، انٹرنیٹ ڈومین، قیام کی تاریخ، طلبا کی تعداد اور ویبو میٹرکس (Webometrics) کے مطابق دنیا کی 3000 بہترین یونیورسٹیوں، شنگھائی جیاؤ ٹونگ یونیورسٹی (SJTU) کے مطابق دنیا کی 500 بہترین یونیورسٹیوں اور دی ٹائمز ہائر ایجوکیشن سپلیمنٹ (THES) کے مطابق دنیا کی 200 بہترین یونیورسٹیوں میں اس کا درجہ درج کیا جا رہا ہے:

یونیورسٹی کا نام اور انگریزی مخفف	انٹرنیٹ ڈومین	قیام کی تاریخ	طلبا کی تعداد	ورلڈ اکیڈمک رینک Webometrics	SJTU	THES
ٹیکنین۔ اسرائیل انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی	technion.ac.il	1924ء	1300 (2005ء)	198	101	194
عبرانی یونیورسٹی یروشلم (HUJI)	huji.ac.il	1918ء	22600 (2005ء)	131	78	77
ویزمین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس (WIS)	weizmann.ac.il	1949ء	2500 (2005ء)	346	101	—

بار ایلان یونیورسٹی (BIU)	biu.ac.il	1955ء	3200 (2006ء)	570	301	
تل ابیب یونیورسٹی (TAU)	tau.ac.il	1956ء	29000 (2005ء)	266	101	188
یونیورسٹی آف حیفہ	haifa.ac.il	1963ء	13000 (2005ء)	604	401	
بن گوریان یونیورسٹی (BGU)	bgu.ac.il	1969ء	17300 (2005ء)	448	301	
اوپن یونیورسٹی آف اسرائیل	openu.ac.il	1974ء	39000 (2005ء)	1893		

ویز مین انسٹی ٹیوٹ اور اوپن یونیورسٹی کے سوا باقی سب یونیورسٹیوں میں گریجوایٹ، ماسٹر اور ڈاکٹر کے درجے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ویز مین انسٹی ٹیوٹ میں گریجوایٹ کے درجے کی اور اوپن یونیورسٹی میں ڈاکٹر کے درجے کی تعلیم نہیں دی جاتی۔

اسرائیل میں سی ایچ ای آئی سے منظور شدہ اعلیٰ تعلیم کے دیگر اداروں کے نام درج ذیل ہیں، جن میں سے اکثر میں گریجوایٹ سطح کی اور بعض اداروں میں ماسٹر کی سطح کی تعلیم دی جاتی ہے۔

1۔ ہولون اکیڈمک انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی
2۔ کالج آف جوڈیا اینڈ سماریا
3۔ بیزالیل اکیڈمی آف آرٹ اینڈ ڈیزائن
4۔ یروشلم اکیڈمی آف میوزک اینڈ ڈانس
5۔ یروشلم کالج آف ٹیکنالوجی

6۔ کے اکیڈمک کالج آف ایجوکیشن

7۔ شینکر کالج آف انجینئرنگ اینڈ ڈیزائن

8۔ روپن .... دی اکیڈمک سینٹر

9۔ ایشکیلون اکیڈمک کالج۔

10۔ دی کالج آف مینیجمینٹ

11۔ او آرٹی براڈ کالج آف انجینئرنگ

12۔ اکیڈمک کالج آف تل ابیب .... یافوف

13۔ ہداسہ اکیڈمک کالج

14۔ جزریل ویلی کالج

15۔ تل ہائی اکیڈمک کالج

16۔ تیشنیا اکیڈمک کالج

17۔ انٹرڈسپلنری سینٹر (ویبومیٹرکس رینک 2241)

18۔ اکیڈمک کالج آف انجینئرنگ (تل ابیب)

19۔ سپیر اکیڈمک کالج

20۔ نجف اکیڈمک کالج آف انجینئرنگ

21۔ شارے مشپات

22۔ اکیڈمک کالج آف لا

23۔ یروشلم کالج آف انجینئرنگ

24۔ اکاوہ اکیڈمک کالج

25۔ کنیریٹ اکیڈمک کالج

ان کے علاوہ ٹیچرز ٹریننگ کے بہت سے کالج ہیں، جن میں زیادہ تر صرف بیچلر آف ایجوکیشن (B.Ed.) کی ڈگری ہی دے سکتے ہیں۔

سائنس و ٹیکنالوجی

ریاستِ اسرائیل کے قیام کے بعد سے ہی سائنس اور انجینئرنگ کے فروغ کی کوششیں شروع کر دی گئی تھیں۔ اسرائیلی سائنس دانوں نے جینیات، میڈیسن، ایگری کلچر، کمپیوٹر سائنسز، الیکٹرونکس، اوپٹکس، انجینئرنگ اور دوسری ہائی ٹیک صنعتوں میں بہت ترقی کی ہے۔

اسرائیلی سائنس اپنی ملٹری ٹیکنالوجی کے حوالے سے بالخصوص مشہور ہے۔ اسرائیل سادہ سی سب مشین گن مثلاً یوزی (UZI) سے لے کر ایرو (ARROW) جیسے اینٹی بیلاسٹک میزائل سسٹم تک تیار کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اسرائیل دنیا کے گنتی کے ایسے چند ملکوں میں شامل ہے جو مصنوعی خلائی سیاروں کو خلا میں بھیجنے کے قابل ہے۔ (ایسے دیگر ملکوں میں امریکہ، روس، چین، جاپان، ہندوستان اور چند یورپی ملک شامل ہیں)۔

خشک زمین زیادہ ہونے کی وجہ سے اسرائیل نے زرعی ٹیکنالوجی میں کافی ترقی کی ہے۔ زرعی ترقی میں شامل ہے۔ آب پاشی کے پانی بچانے والے نظام، پانی کو صاف کرنے کی ٹیکنالوجی، قدرتی کھاد اور جینیاتی ردّ و بدل سے پیدا کی گئیں زیادہ بارآور فصلیں۔ دنیا کے دوسرے کم پانی کے حامل ملک اسرائیل سے زرعی رہنمائی لیتے ہیں۔ اس شعبے میں اسرائیل پوری دنیا میں مشہور ہے۔

اسرائیل نظری طبیعیات (Theoretical Physics) میں بھی کافی امتیاز رکھتا ہے۔ اسرائیلی ماہرینِ طبیعیات فزکس کے نظری اور تصوراتی پہلوؤں پر غور کرنے پر زیادہ مائل ہیں۔

اسرائیل اپنی خوب عمدہ تیار کردہ اور انقلابی ادویات کی وجہ سے بھی عالمی شہرت رکھتا ہے۔ اسرائیل نے نہ صرف بیماریوں کا علاج کرنے والی ادویات تیار کی ہیں بلکہ ہائی

ٹیکنالوجی میں بھی کافی ترقی کی ہے۔ حال ہی میں ویزمین انسٹی ٹیوٹ کے محققین کے ایک گروپ نے ایک مالیکیولر بائیوکمپیوٹر تیار کیا ہے، جو کہ کینسر کے علاج میں معاونت کرتا ہے۔

مشہور اسرائیلی سائنس دان

اسرائیل سائنس میں کئی نوبل انعام جیت چکا ہے۔ 2004ء میں حیاتیات دان اورام ہرشکو اور آرون سیکانوور کو کیمسٹری میں مشترکہ طور پر نوبل انعام دیا گیا اسرائیلی امریکی سائنس دان ڈینیئل کاہن مین نے 2002ء میں معاشیات کا نوبل انعام حاصل کیا تھا۔ 2005ء میں عبرانی یونیورسٹی کے رابرٹ اومین نے معاشیات کا نوبل انعام حاصل کیا۔

1958ء میں میڈیسن میں نوبل پرائز حاصل کرنے والے جوشوا لیڈربرگ ایک فلسطینی یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے جبکہ 2004ء میں طبیعیات کا نوبل انعام حاصل کرنے والے ڈیوڈ گروس زندگی کا کچھ حصہ اسرائیل میں گزر چکے ہیں۔

تیئیسواں باب

عبرانی زبان اور اسرائیلی ادب

○ عبرانی زبان کی تاریخ ○ عبرانی کا احیا ○ اسرائیلی ادب
○ اسرائیل میں پبلشنگ

عبرانی الفروایشیائی زبانوں کے گھرانے سے تعلق رکھنے والی ایک سامی زبان ہے۔ اسرائیل اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں آباد 70 لاکھ سے زیادہ لوگ عبرانی زبان بولتے ہیں۔ ریاستِ اسرائیل کی سرکاری زبانیں دو ہیں، جن میں سے ایک عبرانی ہے۔ یاد رہے ریاستِ اسرائیل کی دوسری سرکاری زبان عربی ہے۔ اسرائیل کی آبادی کی اکثریت عبرانی زبان بولتی ہے۔

عبرانی زبان کی تاریخ

عبرانی بائبل ''تناکا'' کلاسیکی عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اس کی موجودہ صورت کا بیشتر حصہ ''بائبلی عبرانی'' (Biblical Hebrew) میں ہے، جس کے حوالے سے علمائے لسانیات کا ایقان ہے کہ یہ زبان چھٹی صدی قبل از مسیح کے لگ بھگ استعمال کی جاتی تھی۔ یہ یہودیوں کی ''بابلی جلاوطنی'' کے نزدیک کا زمانہ ہے۔ یہودی قدیم زمانے سے عبرانی زبان کو ''یشون ہاکودش'' یعنی ''مقدس زبان'' مانتے ہیں۔

بیشتر علمائے لسانیات اس بات سے متفق ہیں کہ چھٹی صدی قبل از مسیح میں نئی بابلی سلطنت نے یروشلم کو تاخت و تاراج کر کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا تو عبرانی کا روزمرہ استعمال کم ہو گیا اور اس کی جگہ عبرانی کی نئی عوامی بولیوں اور آرامی زبان کی ایک مقامی صورت نے لے لی۔ جب دوسری صدی عیسوی میں رومیوں (Romans) نے یہودیوں کو یروشلم سے دیس نکالا دیا تو عبرانی رفتہ رفتہ بول چال کی زبان کی حیثیت کھو بیٹھی، البتہ علمی ادبی زبان کی حیثیت سے زندہ رہی۔ اس زمانے کے یہودی خطوط، معاہدے، تجارتی، سائنسی، فلسفیانہ، طبی اور قانونی دستاویزات عبرانی میں لکھتے تھے نیز شاعری بھی عبرانی میں

لکھی جاتی تھی۔

عبرانی کا احیا

عبرانی صدیوں تک یہودیوں کی صرف مذہبی زبان کے طور استعمال ہوتی رہی۔ بیسویں صدی کے اواخر میں یہودی عالمِ لسانیات ایلیزر بین یہودا (Eliezer Ben-Yehuda) نے زائیونزم (صیہونیت) کی آئیڈیالوجی کے زیرِ اثر اس کے احیا کی شروعات کی۔ اس زمانے کے یہودی لاڈینو (جسے جوڈیز موبھی کہا جاتا تھا)، یِدش، روسی اور دوسری بہت سی زبانیں استعمال کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ عبرانی نے ان ساری زبانوں کی جگہ لے لی۔ چونکہ صدیوں سے عبرانی کو استعمال نہیں کیا جارہا تھا اس لیے اس میں جدید الفاظ کا فقدان تھا۔ ایلیزر بین یہودا نے عبرانی بائبل اور دوسری زبانوں سے الفاظ مستعار لے کر اس خلا کو پُر کیا۔

جدید عبرانی کو 1921ء میں انگریزوں کے زیرِ حکمرانی فلسطین میں انگریزی اور عربی کے ساتھ ایک سرکاری زبان بنایا گیا۔ 1948ء میں ریاستِ اسرائیل کے قیام کے بعد اسے اسرائیل کی سرکاری زبان قرار دیا گیا۔

عبرانی زبان کو دائیں سے بائیں لکھا جاتا ہے۔ عبرانی زبان کو عموماً عبرانی حروفِ تہجی میں لکھا جاتا ہے۔ تاہم طباعتی دشواریوں اور ان حروف سے بیشتر قارئین کی ناآشنائی کی وجہ سے عبرانی زبان کو رومن حروف میں بھی لکھا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ قبولیت پانے والا طریقہ ''انٹرنیشنل فونیٹک ایلفابیٹ'' (International Phonetic Alphabet) ہے۔

اسرائیلی ادب

اُنیسویں صدی کے وسط سے عبرانی زبان کا استعمال نہ صرف بول چال کی زبان

کی حیثیت سے بڑھ رہا ہے بلکہ اس میں جدید طرز کی نثر، شاعری اور ڈراما بھی لکھا جا رہا ہے۔

قانوناً اسرائیل میں شائع ہونے والی ہر کتاب کی دو جلدیں عبرانی یونیورسٹی یروشلم کی نیشنل اینڈ یونیورسٹی لائبریری میں بھیجنا لازمی ہے۔ 2004ء میں اس لائبریری کو 6436 نئی کتابیں موصول ہوئیں۔ ان میں سے بیشتر کتابیں عبرانی میں لکھی گئی تھیں۔ 2004ء میں شائع ہونے والی کتابوں میں 8 فی صد بچوں کی کتابیں تھیں جبکہ 4 فی صد نصابی کتابیں تھیں۔ 5.5 فی صد کتابیں کمرشل، 4 1 فی صد سیلف پبلشڈ (Self-Published)، 10 فی صد حکومت کی شائع کردہ اور 14 فی صد مختلف قسم کے اداروں کی شائع کردہ تھیں۔

اسرائیل میں پبلشنگ

اسرائیل میں حالیہ دنوں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے پبلشر سامنے آئے ہیں۔ عموماً ایسے پبلشروں کو مالی سہارا وہ ادیب، لکھاری دیتے ہیں جو اپنی پسندیدہ یا اپنی اور اپنے دوستوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو شائع کروانے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

بیشتر نئے پبلشر مثالیت پسند (Idealist) ہیں۔ وہ اس شعبے میں مقابلتاً ناتجربہ کار ہیں اور سال میں بمشکل 5 کتابیں شائع کرتے ہیں۔

چوبیسواں باب

اسرائیل کے تہوار

○ شبت یا سبت ○ روش ہشانا ○ یوم کپور ○ سکوت ○ شیمنی آتسیرت ○ ہانوکا ○ ٹو بیشیوات ○ پیورم ○ پیساہ (پاس اوور) ○ ہولوکاسٹ میں مرنے والوں اور ہولوکاسٹ ہیروز کا دن ○ یوم آزادی ○ لاگ بی اومر ○ یوم یروشلم ○ شاووت

بیشتر اسرائیلی تہواروں کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ اسرائیلی اِن تہواروں کو بڑے جوش و خروش اور خوشی کے ساتھ مناتے ہیں۔ قدیم تہواروں کے علاوہ جدید ریاستِ اسرائیل کے مختلف یادگاری ایام کو بھی انتہائی مسرت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر اسرائیلی گلیوں میں نکل آتے ہیں، تعلیمی اداروں میں چھٹی کردی جاتی ہے اور لوگ خوب ہلاّ گلاّ کرتے ہیں۔

شبت یا سبت

یہ اسرائیلیوں کا ایک اہم تہوار ہے۔ اسے ہر ہفتے کے دن منایا جاتا ہے۔ اس تہوار والے دن پبلک ٹرانسپورٹ بند ہو جاتی ہے، دکانیں اور کاروباری ادارے بھی بند ہوتے ہیں، ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے والے اداروں میں بہت کم لوگ ڈیوٹی پر ہوتے ہیں، اور جتنے زیادہ فوجیوں کو چھٹی دینا ممکن ہوتا ہے، دے دی جاتی ہے۔

اس موقعے پر سیکولر اسرائیلی اپنے گھرانوں کے ساتھ ساحلِ سمندر اور دوسرے تفریحی مقامات پر تفریح کرنے چلے جاتے ہیں جبکہ راسخ العقیدہ یہودی گھروں میں مذہبی روایات کے مطابق تقریبات برپا کرتے ہیں اور سیناگوگ جا کر گھنٹوں عبادت کرتے ہیں۔ راسخ العقیدہ یہودی سبت کے دِن سفر بالکل نہیں کرتے، کسی قسم کا کام نہیں کرتے یہاں تک کہ برقی آلات بھی استعمال نہیں کرتے۔

روش ہشانا

یہ تہوار یہودیوں کا نیا سال شروع ہونے کے دن منایا جاتا ہے۔ ''روش ہشانا'' کا مطلب ہے ''نئے سال کا آغاز۔'' اس تہوار کو منانے کی ہدایت بائبل میں دی گئی تھی۔ اس موقعے پر یہودی روایتی طور پر قرنا پھونکتے ہیں۔ راسخ العقیدہ یہودی اس دن کو قیامت کے دن کی تیاری اور نئے سال کے ثمر آور ہونے کے لیے دعائیں مانگنے کا دن مانتے ہیں۔

اس تہوار کو لگا تار دو دن منایا جاتا ہے۔ یہ تہوار یہودی کیلنڈر کے مطابق یکم اور دو تشیری کو منایا جاتا ہے۔ گریگورین کیلنڈر کے مطابق یہ دن ستمبر میں آتے ہیں۔ یکم تشیری سے ایک دن پہلے سورج غروب ہوتے ہی تہوار شروع ہو جاتا ہے۔

روش ہشانا کی بڑی رسومات میں سے ایک یہ ہے کہ سینا گوگ میں عبادت کے دوران شوفار یعنی قرنا پھونکا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ لوگ گھروں میں عزیزوں، دوستوں کے لیے کھانے کی دعوتیں کرتے ہیں۔ عبادت کے دوران یہودی خدا سے اپنے گناہوں کی توبہ بھی مانگتے ہیں۔

اسرائیل میں سال کا آغاز روش ہشانا سے ہوتا ہے۔ حکومتی خط کتابت، اخبارات اور بیشتر نشریات میں سب سے پہلے ''یہودی تاریخ'' ہوتی ہے۔

یوم کپور

روش ہشانا کے آٹھ دن بعد ''یوم کپور'' ہوتا ہے۔ اس دن کو گناہوں سے نجات کا دن مانا جاتا ہے۔ بائبل میں اس دن روزہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے اور بائبل کی رُو سے یوم کپور یہودیت کا واحد روزہ ہے۔ یہودیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اس روز خداوند سے اپنے گناہوں کی توبہ کریں۔

یہودی ''یومِ کپور'' کے موقعے پر 25 گھنٹوں کا روزہ رکھتے ہیں۔ اس دن بیشتر سیکولر اسرائیلی بھی روزہ رکھتے ہیں۔ ''یومِ کپور'' میں عوامی دلچسپی کی سطح روش ہشانا سے بھی زیادہ ہے۔ اس دن ملک میں ہر سرگرمی 25 گھنٹوں کے لیے مکمل طور پر رُک جاتی ہے، تفریحی مقامات بند کر دیے جاتے ہیں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی تمام نشریات بند کر دی جاتی ہیں، یہاں تک کہ خبریں بھی نشر نہیں کی جاتیں، پبلک ٹرانسپورٹ بھی نہیں چلتی بلکہ سڑکیں بھی مکمل طور پر بند کر دی جاتی ہیں۔

1973ء میں اسی روز عرب اسرائیلی جنگ چھڑنے کی وجہ سے اس دن کو قومی دن کے طور پر بھی منایا جاتا ہے۔

سُکوت

یہ بھی ایک بائبلی تہوار ہے جو یومِ کپور کے بعد منایا جاتا ہے۔ یہ تہوار 5 دنوں پر محیط ہوتا ہے۔ 1970ء تک اس تہوار کو منانے کے لیے یہودی یروشلم کی زیارت پر جایا کرتے تھے، اسی لیے اسے ''زیارتی تہوار'' کہا جاتا تھا۔

یہ دن مصر سے یہودیوں کے انخلا کی یاد میں منایا جاتا ہے، جو کہ تیرھویں صدی قبل از مسیح کا واقعہ ہے۔ اس تہوار کے موقعہ پر یہودی وافر فصلیں ہونے پر خداوند کا شکر بھی ادا کرتے ہیں۔ بعض کبوتزم (Kibbutzim) میں ''سُکوت'' کو ''چاگ ہا آسف'' کے طور پر منایا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے ''فصل کی کٹائی کا تہوار''۔ اسے زرعی سال اور برسات کی شروعات کے تہوار کے طور پر بھی منایا جاتا ہے۔

اس تہوار کے پانچ دنوں کے دوران لاکھوں یہودی خیمے نصب کرتے ہیں۔ یہ خیمے ان خیموں کی یاد دلاتے ہیں جو مصر سے جلاوطن ہونے والے یہودیوں نے صحرا میں نصب کیے تھے۔ یہ خیمے پورے ملک میں پارکنگ لاٹس (Parking Lots)، بالکونیوں، عمارتوں کی چھتوں، لانوں (Lawns) اور سرکاری ملکیتی کھلی جگہوں میں لگائے جاتے ہیں حتیٰ کہ تمام فوجی مراکز میں بھی خیمے لگائے جاتے ہیں۔ بیشتر راسخ العقیدہ یہودی مسلسل چھ دن خیمے میں رہتے ہیں جبکہ بعض یہودی رہتے تو گھروں میں ہیں لیکن کھانا خیموں میں کھاتے ہیں۔

''سُکوت'' کا ''یومِ تقدیس'' ایک دن منایا جاتا ہے جبکہ اسرائیل سے باہر آباد یہودی دو دنوں کو ''یومِ تقدیس'' کے طور پر مناتے ہیں۔

تہوار کے مرکزی دن کے بعد ''سُکوت'' قدرے کم تقدس کے ساتھ منایا جاتا ہے تاہم اس دوران سکول اور بیشتر دکانیں اور کاروباری ادارے یا تو مکمل طور پر بند رہتے ہیں یا ان کا دورانیہ کم کر دیا جاتا ہے۔ اسرائیلی یہودی ان ایام کو پورے ملک میں واقع تفریح گاہوں میں گزارتے ہیں۔

شیمینی اتسیرت

''سکوت'' کے بعد شیمینی اتسیرت منایا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے'' آٹھواں مقدس دن۔'' اسی روز ''سمہت تورہ'' کا تہوار بھی منایا جاتا ہے۔ اس دِن لوگ تورات کا ایک نسخہ ہاتھوں میں لیے سڑکوں پر رقص کرتے ہوئے اس کے ابتدائی اور اختتامی ابواب کو پڑھتے ہیں۔ یہ تورات کی سالانہ قرأت (Annual Reading) کے دور (Cycle) کا آغاز ہوتا ہے۔ اکثر لوگ رات کو بھی جشن منانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

ہانوکا

یہ تہوار 25 کسلیو کو (عموماً دسمبر میں) منایا جاتا ہے۔ یہ دن 164 قبل از مسیح میں یونانیوں پر یہودیوں کی فتح کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اسے نہ صرف کم تعداد والے یہودیوں کی کثیر تعداد والے یونانیوں پر فتح کی یادگار مانا جاتا ہے بلکہ ہیلن ازم پر یہودیت کی روحانی فتح کی یادگار بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس کو ایک معجزے کی یاد میں بھی منایا جاتا ہے۔ معجزہ یہ ہوا تھا کہ زیتون کے تیل سے جلنے والے دیے میں تیل صرف ایک دن کا رہ گیا تھا لیکن اس تیل سے دِیا آٹھ دن تک فروزاں رہا تھا۔ یہودی اسے اپنی تاریخ کا ایک اہم ترین دن مانتے ہیں۔

ہانوکا اسرائیل اور اسرائیل کے علاوہ دوسرے ملکوں میں آٹھ دن منایا جاتا ہے۔ اس تہوار کے دوران پہلی شام ایک شمع (Candle) جلائی جاتی ہے، دوسری شام دو، تیسری شام تین اور اِس طرح آٹھویں شام آٹھ شمعیں جلائی جاتی ہیں۔

ان آٹھ دنوں میں تعلیمی ادارے بند رہتے ہیں لیکن کاروباری ادارے کھلے رہتے ہیں۔

ٹو بیشیوات

یہ تہوار شیوات کی پندرھویں تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ شیوات گریگورین کیلنڈر کے مطابق جنوری، فروری میں آتا ہے۔ یہ بھی یہودیوں کا مذہبی تہوار ہے اور اسے پھل دار درختوں پر شگوفے پھوٹنے کے موقعے پر منایا جاتا ہے۔ اِ[illegible] بڑے پیمانے پر تو نہیں منایا

جاتا البتہ اس روز شجر کاری کی جاتی ہے، سکولوں کے بچے اور بعض افراد اس دن شجر کاری کرتے ہیں۔ اگر چہ شیوات کے دوران سردی ہوتی ہے تاہم بادام کے درختوں پر شگوفے پھوٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔

پیورم

یہ بھی ایک مذہبی تہوار ہے، جو بہار کا موسم شروع ہونے پر منایا جاتا ہے۔ یہ تہوار 14 آدار کو منایا جاتا ہے۔ اس دن تعلیمی ادارے، بند ہوتے ہیں، لوگ خوب رونق میلہ کرتےہیں، اخبارات خصوصی ضمیمے شائع کرتے ہیں، بچے اور بڑے اپریل فولز ڈے کی طرح کی رسوم مناتے ہیں اور عجیب وغریب لباس پہنتے ہیں۔ راسخ العقیدہ یہودی اس دن خیرات کرتے ہیں، صبح اور شام کے وقت صحیفۂ ایستھر پڑھتے ہیں اور لذیذ پکوان ایک دوسرے کے گھروں میں بھیجتے ہیں۔

پیساہ (پاس اوور)

یہ تہوار بہار کے موسم میں منایا جاتا ہے۔ اس کا آغاز 15 کو ہوتا ہے۔ یہ تہوار بنی اسرائیل کی مصریوں کی غلامی سے آزادی (تیرہویں صدیِ قبلِ از مسیح) کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ آزادی اس تہوار کا غالب تصور ہوتی ہے۔

لوگ اس تہوار کی تیاریاں کافی پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ وہ بائبل کی ہدایت کے مطابق اپنے گھروں، دکانوں اور کاروباری اداروں کی صفائی شروع کر دیتے ہیں۔ تہوار سے ایک دن پہلے تیاریوں کا نقطۂ عروج ہوتا ہے۔ اس دن ممنوعہ خوراک کو جلانے کی تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ تہوار والے دن ''سیڈر'' پڑھی جاتی ہے اور بنی اسرائیل کے مصریوں کا غلام بننے اور اس غلامی سے نجات کی کہانی بیان کی جاتی ہے۔ اس دن خصوصی کھانا پکایا جاتا ہے جسے گھرانے کے سارے افراد مل کر کھاتے ہیں۔

بعض کبوتزم میں اس تہوار کو ایک زرعی تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ کبوتزم میں اسے موسمِ بہار کے تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔

اس تہوار کی نوعیت ملی جلی ہے، اسے نیم مذہبی انداز میں منایا جاتا ہے۔ یہودی

اس تہوار کے دوران عبادات بھی کرتے ہیں اور تفریح بھی۔

ہولوکاسٹ میں مرنے والوں اور ہولوکاسٹ ہیروز کا دِن

یہ دِن مبینہ طور پر نازیوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے 60 لاکھ یہودیوں کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اس دِن 10 بجے سائرن بجایا جاتا ہے، جس کے بعد پوری قوم ہلاک شدگان کے احترام میں دومنٹ کی خاموشی اختیار کرتی ہے۔

یہ تہوار ''پاس اوور'' کے ایک ہفتے سے بھی کم عرصے بعد منایا جاتا ہے۔

اس تہوار کے ایک ہفتے بعد اسرائیل کی جنگوں کی یاد میں ایک دن منایا جاتا ہے۔ یادگاری دن کو رات 8 بجے اور اگلے دن دوپہر 11 بجے سائرن بجتے ہیں، جس پر پورا ملک دو منٹ کی خاموشی اختیار کرتا ہے۔

یومِ آزادی

یہ دن 14 مئی 1948ء کو جاری ہونے والے ریاستِ اسرائیل کے اعلانِ آزادی کی یاد میں ہر سال یہودی مہینے آیار کی 5 تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ تہوار صدیوں پرانا نہیں ہے، پھر بھی اسرائیلی اس کو نہایت جوش و خروش اور خوشی کے ساتھ مناتے ہیں۔ یومِ آزادی کی رات میونسپلٹیوں کے خرچ پر تقریبات منعقد کی جاتی ہیں، لاؤڈ سپیکروں پر موسیقی سنی اور سنائی جاتی ہے اور بے شمار لوگ شہر کی اطراف سے وسطی شہر جاتے ہیں اور وہاں جشنِ مسرت میں شریک ہوتے ہیں۔

یومِ آزادی پر متعدد سیناگوگوں میں شکرانے کی خصوصی عبادت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اسرائیلی شہری ان مقامات کی سیر کو جاتے ہیں جہاں اسرائیل کی اپنے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ جنگیں ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ ان جنگوں میں ہلاک ہونے والوں کی یادگاروں پر بھی جاتے ہیں اور تفریح گاہوں کی سیر کو جاتے ہیں۔ اس دن مختلف گھرانے پکنک منانے کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں اور چٹ پٹے پکوانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

یومِ آزادی کے موقع پر ادب، فنونِ لطیفہ اور سائنس کے شعبے میں کارہائے

نمایاں انجام دینے والوں کو ''تمغۂ اسرائیل'' عطا کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہودی نوجوانوں کے لیے ''بین الاقوامی بائبل مقابلہ'' منعقد کیا جاتا ہے۔

یومِ آزادی پر بری، بحری اور فضائی افواج کے بیسز (Bases) عوام کے لیے کھول دیے جاتے ہیں۔

لاگ بی اومر

یہ تہوار پاس اوور اور شاوؤت کے درمیانی ایام میں تینیسویں دن منایا جاتا ہے۔ یہ بچوں کا تہوار ہے، جسے بچے بڑی مسرت کے ساتھ مناتے ہیں۔ یہ تہوار رومی سلطنت کے خلاف یہودیوں کی طرف سے برپا کی جانے والی ''بار کوچبا بغاوت'' کی یاد میں منایا جاتا ہے۔

یومِ یروشلم

یہ تہوار 28 آیار کو ''شاوؤت'' تہوار سے تقریباً ایک ہفتے پہلے منایا جاتا ہے۔

شاووت

یہ تہوار یہودیوں کا آخری زیارتی تہوار ہے۔ یہ تہوار پاس اوور کے سات ہفتوں بعد 6۔ سیوان کو منایا جاتا ہے۔ زرعی اعتبار سے اسے بوئی فصل کے اختتام اور گندم کی فصل کے شروعات پر منایا جاتا ہے۔

یہ تہوار بائبل کی رُو سے ''ہفتوں کا تہوار'' ہے۔ اس موقعے پر معبد میں جا کر مذہبی پیشواؤں کو تازہ فصل اور تازہ پھل پیش کیے جاتے ہیں۔ اس تہوار کی مذہبی توجیہہ یہ کی جاتی ہے کہ اسے کوہِ سینائی پر تورات عطا کیے جانے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ راسخ العقیدہ یہودی اس تہوار کے دوران اکٹھے ہو کر تورات پڑھتے ہیں۔ یروشلم میں رہنے والے راسخ العقیدہ یہودی ''دیوارِ گریہ'' پر جا کر اجتماعی عبادت کرتے ہیں۔

کبوتزم میں یہ تہوار نئی فصل اٹھانے کے پُرمسرت موقعے کا نکتۂ عروج ہوتا ہے۔

یہ بائبل میں مذکور سات نوع کی زرعی پیداوار (گندم، جَو، انگور، انجیر، انار، زیتون اور کھجوروں) کے پکنے کی خوشی منانے کا تہوار بھی ہے۔

پچیسواں باب

تاریخی وسیاحتی اہمیت کے حامل مقامات

○ یروشلم ○ جولان کی پہاڑیاں ○ سفید ○ عکرہ ○ حیفہ
○ تبریاس ○ نزارتھ ○ تل ابیب ○ بیت اللحم ○ ہیبرون
○ بیرشیبا ○ ایلات ○ بحیرۂ مردار

اسرائیل میں تاریخی اور مذہبی نوعیت کے اہم مقامات کے علاوہ کئی سیرگاہیں بھی ہیں، جن کی وجہ سے دنیا بھر سے سیاح سارا سال اسرائیل آتے ہیں۔ ذیل میں ان مقامات کے نام اور مختصر کوائف درج ہیں:

یروشلم

یروشلم کو یہودیوں کا سب مقدس شہر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اسے اسرائیل نے اپنا دارالحکومت بھی قرار دے رکھا ہے، جسے اقوامِ متحدہ اور دنیا کے تقریباً سارے ملکوں نے تسلیم نہیں کیا۔

یروشلم عیسائیوں اور مسلمانوں کے لیے بھی مقدس شہر ہے۔ مسلمان مکہ اور مدینہ کے بعد اسے تیسرا مقدس ترین شہر مانتے ہیں۔ بیت المقدس اور گنبدِ صخریٰ یہیں واقع ہیں۔

جولان کی پہاڑیاں

یہ بھی متنازعہ علاقہ ہے۔ یہاں سردیوں کے موسم میں سکائنگ (Skiing) کی جاتی ہے۔

سفید

یہودیت کا ایک مقدس شہر ہے۔ "یروشلم تالمود" کا بیشتر حصہ یہیں لکھا گیا اور یہودی تصوف کبالا کو یہیں ترتیب دیا گیا۔ یہ شہر اپنے دست کاروں کے حوالے سے معروف ہے۔

عکرہ

یہاں بہائی مذہب کے بانی بہاء اللہ دفن ہیں۔

حیفہ

یہاں بہائیوں کی عبادت گاہ ''باب کا معبد'' ہے۔ اس کے علاوہ بہائی ورلڈ سینٹر اور بہائیوں کی دوسری اہم عمارتیں ہیں۔

تبریاس (Tiberias)

بحرِ گیلیلی کے مغربی کنارے پر واقع یہودیوں کا مقدس شہر ہے۔

نزارتھ

عیسائیوں کا مقدس شہر ہے۔

تل ابیب

یہ اسرائیل کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ ایک کاسموپولیٹن اور اسرائیل کا مالیاتی دارالحکومت ہے۔

بیت اللحم

حضرت داؤد علیہ السلام اس شہر میں پیدا ہوئے تھے۔

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شہر میں پیدا ہوئے تھے۔

ہیبرون

یہ یہودیت کا دوسرا مقدس ترین شہر ہے۔ یہودی روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے مدفن اس شہر میں ہیں۔ یہ شہر سلطنتِ اسرائیل کا دارالسلطنت تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام یہیں سے یروشلم منتقل ہوئے تھے اور انہوں نے اسے اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔

بیر شیبا

یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ یہ شہر حضرت ابراہیم علیہ السلام (Abraham) نے بسایا تھا۔ یہ صحرائے نجف کا علاقائی دارالحکومت ہے۔

اِیلات

یہ شہر اسرائیل کے انتہائی جنوب میں واقع ہے۔ یہاں سارا سال سیاح تفریح کے لیے آتے ہیں۔

بحیرۂ مُردار

یہ کرۂ ارض کی سطح کا سب سے نیچا مقام ہے۔ یہ دنیا کی سب سے گہری اور انتہائی زیادہ نمک آلودہ جھیل ہے۔ یہ اپنی طبی خصوصیات کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ یہ ہے تو جھیل لیکن وسعت کی وجہ سے اسے بحیرہ کہا جاتا ہے۔

چھبیسواں باب

اسرائیل میں تدفین (کیوورا) کی رسوم

○ یہودیت میں سوگ کی روایت ○ شیوا ○ کیریا ○ شیمیرا اور شومیر ○ شیورا کا دیشا (مقدس انجمن) ○ یہودی قبر ○ تدفین کا طریقۂ کار ○ شلوشیم ○ شاناہ ○ ماتزلواہ ○ یاہرزائیت ○ خودکشی ○ نوزائیدہ ○ بچے کی موت

یہودیت میں سختی سے حکم ہے کہ مرنے والے کو اسی روز یا زیادہ سے زیادہ اگلے روز دفنا دیا جائے۔ یہودی اپنے مرحومین کو سخت مذہبی قوانین اور طریقۂ کار کے تحت دفناتے ہیں۔ ریاستِ اسرائیل نے دیگر مذاہب کے پیروکاروں اور یہودیوں کی تدفین کے لیے زمین کے الگ الگ ٹکڑے (Rlots) مختص کر دیئے ہیں۔ 1971ء میں ایک قانون بنایا گیا جس کے مطابق مذہبی امور کی وزارت جنازہ و تدفین اور اس سے متعلقہ تمام معاملات میں قوانین کی پابندی کو یقینی بناتی ہے۔ 1996ء میں ایک قانون بنایا گیا جس کے تحت ہر اسرائیلی شہری کو اختیار دیا گیا کہ "وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیل کے قانون کے مطابق" اپنی تدفین کروا سکتا ہے یا کسی نجی تدفینی ادارے کے ذریعے۔ حکومت نے نجی تدفین کے لیے پورے ملک میں زمین کے 21 ٹکڑے (Plots) مختص کیے ہیں۔

بیشتر کبوتزم اور موشاوم کے اپنے قبرستان (Burial Plots) ہیں۔

فوجیوں کو 1950ء کے ملٹری سیمیٹر یز لا (Military Cemeteries Law) کے تحت فوجی قبرستانوں میں دفنایا جاتا ہے، اور مرحوم فوجیوں کی تدفین (یہودی ہونے کی صورت میں) سختی سے "حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیل کے قانون" کے مطابق عمل میں لائی جاتی ہے۔

یہودیت میں سوگ کی روایت

شیوا

کسی یہودی کے فوت ہو جانے کے بعد کے سات دنوں کو "شیوا" (Shiva) کہا جاتا ہے۔ اگر تدفین کے عمل کے دوران سورج غروب ہو جائے تو "شیوا" کا آغاز

اگلے دن سے ہوتا ہے۔ان سات دنوں میں سوگ وار خاندان کا کوئی فرد نہ کوئی کام کرتا ہے، نہ کھانا پکاتا ہے اور نہ ہی معمول کی کسی دوسری سرگرمی میں حصہ لیتا ہے۔ یہودی روایت کے مطابق سوگ واروں کو چمڑے کے جوتے نہیں پہننے چاہئیں، انہیں خوشبو نہیں لگانی چاہیے، زیورات نہیں پہننے چاہئیں .... سوائے سبت کے۔ ان سات دنوں میں سوگ وار گھرانے کے فرد نہاتے نہیں ہیں۔ مرد ڈاڑھی صاف نہیں کرتے، مرحوم کے گھر میں تمام آئینوں کو ڈھانپ دیا جاتا ہے اور سوگ کے سات دنوں کے دوران کوئی سوگ وار اپنا چہرا آئینے میں نہیں دیکھتا۔

''شیوا'' کے سات دنوں کے بعد اگلے 23 دنوں میں سوگ واروں کو بہت سے کام کرنے کی اجازت ہوتی ہے تاہم انہیں قبرستان جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

سوگ وار گھرانے کا کوئی فرد اگلے 12 ماہ تک کسی تفریحی سرگرمی میں حصہ نہیں لے سکتا، ناچ گا نہیں سکتا اور موسیقی سن بھی نہیں سکتا۔

شیوا کے دوران سوگ وار گھرانے کے افراد یا تو پیڑھیوں پر بیٹھتے ہیں یا زمین پر۔ یہودی اپنے مرحومین کی تدفین کے لیے دور دراز مقامات سے آتے ہیں اور ''شیوا'' کے دوران سوگ واروں کو دلاسا دیتے ہیں۔

کیریا (Keriah)

یہودی روایت کے مطابق مردے کی تدفین کے بعد سوگ وار گھرانے کے مرد اپنی قمیض کا گریبان پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اسے کیریاہ کہا جاتا ہے۔ شیوا کے دوران پھٹی ہوئی قمیض تبدیل نہیں کی جاتی۔

شیمیر اا اور شومیر

جب کوئی یہودی مر رہا ہوتا ہے تو یہودی روایت کے مطابق اس دوران کسی ایسے فرد کو اس کے قریب رہنا چاہیے جو اس کے گھرانے کا نہ ہو۔ وہ شخص ''شومیر'' (Shomer)

کہلاتا ہے اور مرنے والے کی نگرانی کا عمل شیمیرا(Shemira) کہلاتا ہے۔شومیر کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ قریب المرگ فرد کے قریب بیٹھ کر زبور پڑھتا رہے۔زبور پڑھنے کا سلسلہ تدفین کے پورے عمل کے دوران جاری رہتا ہے۔

شیورا کادیشا (مقدس انجمن)

یہودی دنیا میں ''شیورا کادیشا'' (Chevra Kadisha) ایک ایسی انجمن ہے، جو یہودی مرحومین کی تدفین کا کام سرانجام دیتی ہے۔اس انجمن میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں کیونکہ یہودی مذہبی قانون کے مطابق مرد یہودی مردے کو مرد نہلاتے ہیں اور عورت یہودی مرحوم کو عورتیں نہلاتی ہیں۔شیورا کادیشا مرحوم یہودیوں کی تدفین ''ہلاکا'' (یہودی مذہبی قانون) کے تحت عمل میں لائے جانے کا بندوبست کرتی ہیں۔

شیورا کادیشا مقامی سیناگوگ کا حصہ ہوتی ہے۔شیورا کادیشا کے اپنے قبرستان بھی ہیں۔اکثر یہودی اپنے زندگی میں شیورا کادیشا کو چندہ دیتے ہیں تاکہ مرنے کے بعد انہیں درست مذہبی طریقے سے شیورا کادیشا کے قبرستان میں دفنایا جائے۔

یہودی قبر

یہودیت کے مذہبی قانون کے مطابق مردے کو تقریباً چھ فٹ گہری قبر میں دفنایا جاتا ہے۔

اگر قبرستان میں کوئی گورکن نہ ہو تو شیورا کادیشا کے مرد اراکین قبر کھودنے کا کام کرتے ہیں۔شیورا کادیشا کے اراکین مردے کو نہلانے اور قبر کھودنے کو ایک اعزاز تصور کرتے ہیں۔

تدفین کا طریقہ کار

تدفین کا عمل یہودیت میں ''کیورا'' (Kavura) کہلاتا ہے۔شیورا کادیشا

کے اراکین مردے کو نہلاتے ہیں۔اس عمل کو"طہارہ" (Tahara) کہا جاتا ہے۔مردے کو گرم پانی سے نہلایا جاتا ہے اور ناخن تراشے جاتے ہیں۔"طہارہ" کے بعد مُردے کو کفن اوڑھایا جاتا ہے، جسے یہودی "تاشریشیم" (Tachrichim) کہتے ہیں۔یہودیوں کا کفن سفید رنگ کا ہوتا ہے۔کفن خاص سوتی کپڑے کا ہوتا ہے۔مرد کے کفن میں سات ٹکڑے ہوتے ہیں اور عورت کے دس۔مُردوں کو عموماً ان کی عبادت کی مخصوص چادر "تالیت (Tallit) بھی اوڑھائی جاتی ہے۔مردے کی کمر کے گرد کپڑے کا ایک ٹکڑا "ساش" باندھا جاتا ہے۔

مردے کی آنکھوں اور منہ پر مٹی کے ٹوٹے ہوئے برتنوں کے ٹکڑے رکھے جاتے ہیں۔یہ عمل "معبد" (Temple) کی بربادی کی یاد منانے کا حصہ ہے۔پورے تابوت میں اور مردے کی آنکھوں اور دل پر اسرائیل کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔یہ عمل اس عقیدے کی عکاسی کرتا ہے کہ یہودیوں کا ارضِ اسرائیل سے رشتہ کس قدر مضبوط ہے۔اسرائیل کی مٹی مرد مرحوم کے تناسلی اعضا پر بھی چھڑکی جاتی ہے۔یہی عمل اس کے ختنے کے وقت بھی کیا گیا تھا۔

دیگر مذاہب کے برعکس یہودی اپنے مرحومین کا چہرا نہیں دکھاتے۔مردے کو نہلانے اور کفنانے کے بعد تابوت کو بند کر دیا جاتا ہے۔بیشتر اسرائیلی یہودی اپنے مرحومین کو تابوت میں بند نہیں کرتے۔وہ اس کو سفید کفن اور تالیت اوڑھا کر جنازہ قبرستان لے جاتے ہیں۔

یہودیوں کی تدفین کے موقع پر مرنے والے کے سوگ میں رونے اور کسی بھی انداز میں غم والم کے اظہار کی سخت ممانعت ہے۔

مردے کو قبر میں اتارنے کے بعد سوگ وار افراد تین تین بیلچہ مٹی قبر میں ڈالتے ہیں۔روایت کے مطابق وہ بیلچے کو الٹا تھام کر قبر کے نزدیک آتے ہیں۔یہ بھی روایت ہے

کہ ایک یہودی مٹی قبر میں ڈالنے کے بعد بیلچہ کسی دوسرے یہودی کو دینے کی بجائے زمین پر رکھ دیتا ہے اور دوسرا یہودی قبر میں مٹی ڈالنے کے لیے بیلچے کو زمین سے اٹھاتا ہے۔

قبر میں چند مُٹھیاں ارضِ اسرائیل کی مٹی کی بھی ڈالی جاتی ہیں۔

سبت کے دن مردے کو نہیں دفنایا جاتا۔

اگر کوئی یہودی کسی مذہبی تہوار والے دن فوت ہو جائے تو سوگ وار گھرانا مذہبی تہوار ختم ہو جانے کے بعد سات روزہ سوگ مناتا ہے۔

تعزیت کے لیے آنے والے یہودیوں کو یہودی روایت کے مطابق سوگ واروں سے بولنے حتیٰ کہ سلام کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ گفتگو میں پہل سوگ وار کریں تو وہ بات کر سکتے ہیں جبکہ سوگ واروں کو گفتگو شروع کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا، وہ تعزیت کرنے والوں کا استقبال خاموشی سے کر سکتے ہیں۔

شلوشیم (Shloshim)

تدفین کے بعد ''شیوا'' ہوتا ہے اور اس کے بعد ''شلوشیم'' جو تیس دنوں پر محیط ہوتا ہے۔ اس دوران مرد ڈاڑھی صاف نہیں کرتے۔ اس دوران شادی کرنا بھی ممنوع ہے۔ شلوشیم کے دوران یہودی اپنی مقدس کتاب ''مِشنا'' پوری پڑھواتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ مشنا پڑھنے والوں کے کسی گروپ کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔

شاناہ (Shanah)

''شاناہ'' کے لغوی معانی ہیں ''سال۔'' اس سے مراد ہے سال بھر کا سوگ۔ اس دوران سوگ وار گھرانے کے مرد مرحوم کے لیے سینا گوگ میں عبادت کے دوران خصوصی دعا ''کادیش'' (Kaddish) پڑھتے ہیں۔ اگر مرحوم کے گھرانے میں کوئی مرد نہ ہو تو کوئی دوسرا مرد یہ فریضہ انجام دیتا ہے۔ شاناہ کے دوران سوگ وار گھرانا موسیقی کی محفلوں سے بالخصوص اور تفریحی سرگرمیوں سے بالعموم دور رہتا ہے۔

ماتزیواہ(Matzevah)

یہودیوں کی قبر کے سرہانے لگائے جانے والے پتھر (کتبے) کو ''ماتزیواہ'' کہا جاتا ہے۔ عبرانی میں اس لفظ کے لغوی معانی ہیں ''یادگار۔'' یہودیوں کے مختلف فرقے تدفین کے مختلف عرصے بعد قبر کے سرہانے ماتزیواہ نصب کرواتے ہیں، تاہم بیشتر فرقے تدفین کے ایک سال بعد ماتزیواہ نصب کرواتے ہیں۔ بعض فرقے صرف ایک ہفتے بعد ہی ماتزیواہ نصب کروا دیتے ہیں۔ اسرائیل میں شیلوشیم یعنی تدفین کے تیس دن بعد ماتزیواہ نصب کرنے کا رواج ہے۔ ویسے یہودی مذہبی قانون میں اس کے لیے کوئی خاص مدت متعین نہیں کی گئی۔ صرف اتنا ہے کہ پاس اوور وغیرہ جیسے مذہبی تہواروں کے موقعہ پر ماتزیواہ کو نصب نہیں کیا جاتا۔

یاہرزائیت(Yahrzeit)

یاہرزائیت کے لغوی معانی ہیں ''ایک سال۔'' اس سے مراد وہ رسم ہے، جسے اسرائیلی یہودی ہر سال اپنے کسی عزیز رشتے دار کے یومِ وفات پر ادا کرتے ہیں۔ یہ ہمارے ہاں کی ''برسی'' کے مترادف ہے۔ اس رسم کو یہودی کیلنڈر کے مطابق ادا کیا جاتا ہے۔ مرحوم کے والدین، بیوہ یا خاوند اور بچے اس رسم کو ادا کرتے ہیں۔ یاہرزائیت والے دِن مرحوم کی ''کادیش'' کو صبح، دوپہر اور شام کے وقت پڑھا جاتا ہے۔ اس روز ایک قندیل (Candle) بھی روشن کی جاتی ہے، جو 24 گھنٹے فروزاں رہتی ہے۔ اسے ''قندیلِ یاہرزائیت (Yahrzeit Candle) کہا جاتا ہے۔ مرحومین کی یاد میں ''قندیلِ یاہرزائیت'' روشن کرنا یہودیوں کی پسندیدہ رسم (منہاگ Minhag) ہے۔

بعض یہودی یاہرزائیت والے دن روزہ (Fast) رکھتے ہیں۔ قدامت پرست یہودی یاہرزائیت سے ایک دن پہلے تالمود یا مشنا کو تین بار پڑھواتے ہیں۔ اس رسم کو سی یوم (Siyum) کہا جاتا ہے۔ سی یوم کے بعد ضیافت کی جاتی ہے۔ اس ضیافت کو بھی ''سی یوم''

ہی کہا جاتا ہے۔ جن یہودیوں نے روزہ رکھا ہوتا ہے، یہ ضیافت ان کے لیے کی جاتی ہے۔

یہودیوں پر فرض ہے کہ وہ اپنی ماں، اپنے باپ، بھائی اور بہن کی یاد ہر سال منائیں۔ ہلاکا کے مطابق یہودیوں پر فرض ہے کہ یا ہر زائیت کے دن صبح، دوپہر، شام کادیش پڑھیں۔

مذہبی تہواروں کے موقعہ پر ممکن ہو تو یہودی اپنے عزیزوں کی قبروں پر جاتے ہیں۔ جو شخص کسی کی قبر پر جاتا ہے، وہ قبر کے پہلو میں ایک چھوٹا سا پتھر رکھ دیتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ کوئی اس قبر پر ہو کر گیا ہے۔ عیسائی اپنے عزیزوں کی قبروں پر پھول رکھ کر آتے ہیں، جو کہ جلد ہی مرجھا جاتے ہیں، اس کے برعکس پتھر لمبی مدت تک پڑے رہتے ہیں۔

خُودکُشی

یہودیت میں خُودکُشی کو ''اپنا قتل'' تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ خُودکُشی کرنے والے یہودی کو معمول کے مطابق نہلایا دھلایا نہیں جاتا۔ خُودکُشی کرنے والے کی لاش کو قبرستان کے مرکزی حصے کی بجائے الگ تھلگ دفنایا جاتا ہے۔

نوزائیدہ بچے کی موت

اگر تیس دن سے کم عمر کا بچہ فوت ہو جائے تو راسخ العقیدہ یہودی روایتی انداز میں اس کا سوگ نہیں مناتے۔ واضح بات ہے نوزائیدہ بچے کے سوگ میں شیوا کے سات دن ہر کام چھوڑ دینا عملاً ممکن نہیں ہے۔

ستائیسواں باب

کبالا............یہودی تصوّف

○ کبالا کا مفہوم ○ کبالا کا آغاز ○ کبالا کی مشہور کتابیں

کبالا کا مفہوم

کبالا یہودی تصوف کی ایک باطنیت پسندانہ شاخ ہے۔اس میں تنا کا (عبرانی بائبل) کی پوشیدہ حکمتوں کو سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے۔

قدیم زمانوں میں بھی ربائی اس اصطلاح کو استعمال کرتے تھے۔ وہ ''اَن لکھی (زبانی)'' یہودی تعلیمات کو کبالا کہتے تھے، جو کہ ہر خاص و عام کے لیے دستیاب ہوتی تھیں۔ وسیع معنوں میں کبالا سے مراد تھا ''زبانی بیان کیا جانے والا یہودی مذہبی قانون۔'' یعنی وہ یہودی مذہبی قانون جو کہ ہنوز لکھا نہیں گیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زبانی روایتوں کو بھی لکھ لیا گیا لیکن انہیں کبالا ہی کہا جاتا رہا باطنی علم کو زبانی بیان کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ باطنی علم خدا، تخلیقِ کائنات، قوانینِ فطرت اور کائنات کو چلانے کے الوہی طریقوں کو جاننے سمجھنے پر مشتمل تھا۔ دورِ حاضر میں ان باطنی تعلیمات کو بھی احاطۂ تحریر میں لایا جا چکا ہے، تاہم انہیں ''کبالا'' کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے۔

کبالا کو ماننے والوں کا کہنا ہے کہ اس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام (Adam) سے ہوا تھا۔ جبکہ دورِ حاضر کے لبرل ربائی کہتے ہیں کہ اس کا آغاز تیرہویں صدی میں ہوا۔ کبالا کو ماننے والے ''کتابِ پیدائش'' میں مذکور قصۂ آدم و حوا (Adam & Eve)، باغِ عدن، خیر و شر کے علم کے درخت، شجرِ حیات اور سانپ کے قصے کی باطنی تشریح و تعبیر کرتے ہیں۔

کبالا کا آغاز

کبالا کو ماننے والے کبالائی تعلیمات کی درستی کا معیار اُن کی قدامت کو قرار دیتے ہیں۔ ان کا ایقان ہے کہ قدیم ترین دستاویزات اور کتابوں میں درج خیالات و نظریات عین حقیقت ہیں۔ قدیم کبالائی تحریریں 2000 سال پرانی ہیں۔

کئی صدیوں تک کبالائی تعلیمات کو عام لوگوں سے پوشیدہ رکھا گیا۔ صرف چند خاص لوگوں ہی کو ان قدیم تعلیمات تک رسائی کا موقعہ دیا جاتا تھا۔ جدید دور میں کبالائی تعلیمات کو عام کرنے والے مصنف کا نام ربائی ابراہام آئزک کک (1935ء-1864ء) ہے۔ اس کی متصوفانہ تحریروں نے مذہبی صیہونیت کے پیروکاروں کو بہت متاثر کیا۔

جدید دور میں ایسے یہودی بھی کبالائی تعلیمات سے متاثر ہیں، جنہیں غیر روایتی یہودی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کبالا نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو بھی متاثر کیا ہے۔ اسرائیل میں کبالائی تعلیمات کو ماننے والے گروپوں میں نیو ہیسیڈ ازم اور جیوئش ری نیوئل (Jewish Renewal) سب سے زیادہ بااثر ہیں۔

کبالا کی مشہور کتابیں

درج ذیل کتابوں کو کبالا کی نمائندہ کتابیں کہا جاتا ہے:

1) **هانیکالوت یا هیکالوت**: یہ ایک کتاب نہیں بلکہ کئی کتابوں کا مجموعہ ہے۔ ان کتابوں میں روحانی ارتقا کے طریقے لکھے گئے ہیں۔

2) **پیتـزیراہ**: یہ کبالا کی قدیم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ کہا جاتا ہے اسے چھٹی صدی عیسوی میں لکھا گیا تھا۔

3) **سیـفر شاسیڈم**: اسے جرمن یہودی مذہبی پیشواؤں نے لکھا تھا۔ اس کتاب میں گناہوں سے پاک زندگی بسر کرنے کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔

4) **رازیـل هـاملک**: یہ کتاب تیرہویں صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کا موضوع ''تقدیر'' ہے۔

5) **باهر**: یہ کبالا کے طالب علموں کے لیے لکھی گئی ہے، تاہم کہا جاتا ہے کہ یہ ایک مشکل کتاب ہے۔ یہ کتاب 1176ء میں پہلی بار شائع ہوتی تھی۔

6. **زوهر**: یہ کبالا کی سب سے اہم کتاب ہے۔ اس میں تورات پر تبصرے کیے گئے ہیں۔

7) **پردیس ریمونیم** (انار کے درختوں کا باغ): اسے ربائی موشے کوردوویرو نے لکھا تھا۔ یہ کتاب سولہویں صدی عیسوی میں سپین میں شائع ہوئی تھی۔ یہ ''زوہر'' کی تشریح ہے۔

8) **ایتـس هـائیم** (شجرِ زندگی): یہ ربائی یتزاک لیوریا کی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ اسے پہلی مرتبہ سولہویں صدی میں شائع کیا گیا تھا۔

اٹھائیسواں باب

انوکھی بستیاں:

کِبُّوتزم (Kibbutzim)

○ کِبُّوتز ○ کبوتزم کا نظریہ ○ کبوتزم کی تاریخ ○ پہلی کبوتز
○ برطانوی مینڈیٹ کے دوران کبوتزم ○ صیہونیت کا فروغ
○ ریاستِ اسرائیل کی تشکیل و تعمیر میں کبوتزم کا کردار ○ کبوتز
تحریک کی آئیڈیالوجی ○ موشادم ○ کبوتزم کا طرزِ زندگی
○ چلڈرنز سوسائٹی ○ کبوتز کا منفرد کلچر ○ کبوتز کی معیشت
○ کبوتز کلچر میں تبدیلی

کبوٹز

کبوٹز واحد ہے اور اس کی جمع ہے کبوتزم۔ ''کبوتز'' (Kibbutz) ایک ایسی بستی ہوتی ہے، جس کے باسیوں کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی، پیداوار کے تمام وسائل، تمام پیداوار، اس کی فروخت سے حاصل ہونے والی آمدنی اور اس کی تقسیم، رہائش، تعلیم، صحت، تفریح اور بستی کے تحفظ وسلامتی وغیرہ پر کوئی نجی یا انفرادی کنٹرول نہیں ہوتا، بلکہ سب کام اجتماعی اور اشتراکی بنیادوں پر انجام دیئے جاتے ہیں۔ کبوتزم کے باسیوں کو ''کبوتز نِک'' کہا جاتا ہے۔ اگرچہ دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی ایسی اجتماعی آبادیاں موجود ہیں تاہم اسرائیلیوں کی قائم کردہ کبوتزم کئی اعتبار سے منفرد ہیں۔ کبوتزم نے اسرائیل میں ایسا اہم کردار ادا کیا ہے، جو دنیا کی کسی اور اجتماعی آبادی نے نہیں کیا۔ ریاستِ اسرائیل کے قیام سے لے کر آج تک کبوتزم اسرائیلی معاشرے میں انتہائی فعال اور تعمیری کردار ادا کر رہی ہیں۔

کبوتزم کا نظریہ

کبوتزم کی نظریاتی اساس سوشلزم اور زائیونزم صیہونیت کے امتزاج سے وجود پذیر ہونے والا ''لیبر زائیونزم'' ہے۔ اگرچہ آغاز میں کبوتزم کا قیام سرمایہ دارانہ بستیوں کے مقابلے میں عمل میں آیا تھا اور یہ کئی نسلوں تک ''یوٹوپیائی آبادیاں'' رہی ہیں تاہم دورِ حاضر کی کبوتزم سرمایہ دارانہ شہروں سے زیادہ مختلف نہیں رہیں۔ اس حقیقت کے باوجود اپنے قیام کے ابتدائی عشروں میں کبوتزم کی اشتراکی نوعیت وکارکردگی نے پوری دنیا کو متاثر کیا تھا۔

اگرچہ کبوتز موومنٹ کا دائرۂ اثر اسرائیلی آبادی کے 7 فی صد تک محدود ہے تاہم کبوتزم سے ابھرنے والے لیڈروں، دانش وروں اور سیاست دانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

کبوتزم کی تاریخ

بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں یہودیوں نے روس اور دوسرے یورپی ملکوں میں حکومتی اور عوامی ظلم وستم سے بچنے کے لیے مشرقِ وسطیٰ کا رُخ کیا۔ اس زمانے میں فلسطین عثمانی سلطنت کا حصہ تھا۔ یہودیوں نے یہاں زمینیں خریدنے کے لیے ساری دنیا کے یہودیوں سے محاورۃً نہیں عملاً پائی پائی جمع کی۔ اس مقصد کے لیے ''نیلے صندوق'' (Blue Box) پوری دنیا میں یہودیوں تک پہنچائے گئے، جنہوں نے یہ سوچ کر اپنی استطاعت سے بڑھ کر چندے دیے کہ کبوتزم کسی ایک فرد یا گروہ کی ملکیت نہیں ہوں گی بلکہ تمام یہودی ان سے مستفید ہوسکیں گے۔

پہلی کبوتز

پہلی کبوتز 1909ء میں جوزف بارتز اور اس کے نو مرد اور دو عورت ساتھیوں (Comrades) نے یہودیوں سے زمین خرید کر آباد کی تھی۔ یہ کبوتز بحرِ گیلیلی کے جنوبی سرے پر واقع عرب بستی ''ام خونی'' کے قریب آباد کی گئی تھی۔ جوزف اور اس کے ساتھیوں کی عمریں بیس سال سے بھی کم تھیں، گویا مغربی اصطلاح میں وہ ''ٹین ایجرز'' (Teenagers) تھے۔ انہوں نے مزدوروں کی طرح دن رات جاں فشانی سے کام کر کے اس علاقے کو صاف اور ہموار کر کے کاشت کاری اور رہائش کے قابل بنایا۔ انہوں نے اس پہلی کبوتز کا نام ''کوتزات ڈیگانیا'' (Kvutzai Degania) رکھا۔

مشکلات کے باوجود کبوتزم وسعت پاتی رہیں۔ 1914ء تک ڈیگانیا میں 50 افراد آباد ہو چکے تھے۔ دوسری کبوتزم بحرِ گیلیلی اور وادیٔ جزریل کے قریب آباد کی گئیں۔ ڈیگانیا کے بعض باسی بھی سوشلزم پر زیادہ عمل کرنے اور بہتر کاشت کاری کے لیے نئی کبوتزم میں چلے گئے۔

برطانوی مینڈیٹ کے دوران کبوتزم

پہلی عالمی جنگ کے بعد عثمانی سلطنت کا خاتمہ اور فلسطین کا برطانوی انتداب بن

جا نا یشوو (فلسطینی یہودی کمیونٹی) اور کبوتزم کے لیے اچھا ثابت ہوا۔ کبوتزم اور مجموعی طور پر یشوو (Yishuv) کی توسیع کا سبب فلسطین میں حکومت کی تبدیلی کے علاوہ یورپ میں یہودیوں پر ظلم وستم میں اضافہ بھی تھا۔ پہلی جنگِ عظیم سے قبل کی جانے والی صیہونیت مخالف (Anti-Zionist) یہودیوں کی پیش گوئیوں کے برخلاف آزادی پسندانہ (Liberal) تصورات کے فروغ میں کمی نہیں آئی جبکہ کئی وسطی اور مشرقی یورپی ملکوں میں یہودیوں کی صورتِ حال انتہائی دِگرگوں ہوگئی۔ یہودیوں کو پولینڈ اور سوویت روس کی جنگ نیز روسی خانہ جنگی کے دوران بدترین عذاب جھیلنے پڑے۔ اگرچہ 1918ء سے 1920ء کے دوران ہونے والا یہودیوں کا قتلِ عام پہلی عالمی جنگ کے مقابلے میں کم ہولناک تھا، تاہم اس کے سامنے 1880ء اور 1900ء کی دہائیوں کے قتلِ عام معمولی دکھائی دیتے تھے۔ جس طرح زار الیگزینڈر دوم کی موت کے بعد اور کشیف میں ہونے والے یہودیوں کے قتلِ عام بڑے پیمانے پر ''ایلیاہ'' کا باعث بنے تھے، اسی طرح روسی خانہ جنگی کے دوران ہونے والا یہودیوں کا قتلِ عام بھی ''ایلیاہ'' کا باعث بنا۔ 1920ء کی دہائی کے اوائل میں لاکھوں یہودی روس سے فلسطین چلے گئے۔ اس کو تاریخ دان ''تیسری ایلیاہ'' کہتے ہیں۔

کمیونسٹوں نے اقتدار میں آجانے کے بعد یہودیوں کو تحفظ کا یقین دلایا، تاہم 1920ء کی دہائی کے دوران مشرقی اور وسطی یورپ میں یہودیوں پر ہونے والے ظلم وستم سے بچنے کے لیے فلسطین نقل مکانی کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ اسے ''چوتھی ایلیاہ'' کہا جاتا ہے۔ تیسری اور چوتھی ایلیاہ کے دوران فلسطین جانے والے یہودیوں نے کبوتز کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

صیہونیت کا فروغ

جب 1920ء کی دہائی کے دوران مشرقی یورپ کے ملکوں مثلاً پولینڈ اور رومانیہ میں نہ صرف یہودیوں کا مکمل کاروباری بائیکاٹ کیا گیا بلکہ ان کو مکمل دیس نکالا دینے کے

لیے نیشنل کرسچین ڈیفنس لیگ'' اور'' آئرن گارڈ'' کے نام سے تنظیمیں کام کرنے لگیں تو ہر یورپی ملک میں یہودی نوجوانوں کی تحریکیں بھی اُبھرنے لگیں۔ ان صیہونی تحریکوں کی اساس جرمن یہودی نوجوانوں کی تحریکیں اور بوائے سکاؤٹس تھے۔ یورپی سیاسی منظر کے ہر گوشے میں نوجوانوں کی تحریکیں اُبھرنے لگیں۔ ان میں ''بیتار'' جیسی دائیں بازو کی اور ''باکاڈ'' جیسی مذہبی تحریکیں بھی شامل تھیں، تاہم بیشتر تحریکیں ''درور''، ''بریت ہاولم''، ''قادیمہ''، ''راہابونیم'' اور'' ویکلیوت'' جیسی سوشلسٹ تحریکیں تھیں۔ کبوتزم کی تاریخ میں صیہونی نوجوانوں کی بائیں بازو کی سب سے اہم تحریک ''مارکسسٹ ہاشومر ہاتزائر'' تھی۔ 1920ء کی دہائی میں بائیں بازو کی نوجوانوں کی تحریکوں نے کبوتزم کے فروغ میں نمایاں ترین کردار ادا کیا۔

دوسری ایلیاہ میں فلسطین آنے والے یہودیوں کے برعکس نوجوانوں کی مذکورہ تحریکوں کے اراکین نے فلسطین روانہ ہونے سے پہلے کاشت کاری کی تربیت اور تجربہ حاصل کیا تھا۔ 1917ء میں برپا ہونے والے مارکس انقلاب کے بعد سوویت روس سے یہودیوں کی نقل مکانی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ دونوں عالمی جنگوں کے دوران جرمنی اور یورپ کے دوسرے ملکوں سے یہودیوں نے فلسطین آ کر کبوتزم میں رہائش اختیار کی۔ کبوتزم آباد کرنے والے یہودیوں کا ایقان تھا کہ ان کا'' رضا کارانہ سوشلزم'' ایک دن پوری دنیا کو متاثر کرے گا۔

عالمی جنگوں کے بعد بسائی جانے والی کبوتزم'' ڈیگانیا'' کے مقابلے میں زیادہ بڑی تھیں۔ 1922ء میں فلسطین میں بسائی جانے والی کبوتزم کی آبادی مجموعی طور پر 700افراد پر مشتمل تھی، تاہم 1927ء میں یہ تعداد 4000 تک پہنچ گئی تھی۔ دوسری عالمی جنگ ختم ہوتے ہوتے کبوتز آبادی 25000افراد تک پہنچ گئی، جو کہ مجموعی یشیوو آبادی کا 5فی صد تھی۔

کبوتزم کے فروغ کے ساتھ بائیں بازو کی صیہونی نوجوانوں کی تحریکیں بھی مختلف شاخوں میں بٹ گئیں۔ 1927ء میں ہاشومر ہاتزائر کی قائم کردہ کبوتزم میں ایک ملک گیر ایسوسی ایشن قائم کی گئی جس کا نام'' کبوتز آرتزی فیڈریشن'' رکھا گیا۔ یہ بائیں بازو

کی تحریک تھی۔ 1936ء میں کبوتز آرتزی فیڈریشن نے ''سوشلسٹ لیگ آف فلسطین'' کے نام سے اپنی سیاسی پارٹی بنالی، تاہم اسے عموماً ''ہاشومر ہاتزائر'' ہی کہا جاتا تھا۔ ریاستِ اسرائیل کے قیام کے بعد اس پارٹی کو بائیں بازو کی ایک اور پارٹی میں ضم کر کے ''ماپام'' قائم کی گئی۔

آرتزی کبوتزم میں دوسری کبوتزم کی نسبت دونوں اصناف (عورتوں اور مردوں) کے مابین مساوات اور برابری زیادہ پائی جاتی تھی۔ یہودی عورتیں عموماً اپنے خاوند کو ''باآلی'' (Ba'ali) یعنی ''میرا آقا'' کہتی ہیں لیکن 1920ء اور 1930ء کی دہائی کی کبوتز عورتیں اپنے خاوند کو ''اِیشی'' (Ishi) یعنی ''میرا مرد'' کہتی تھیں۔

1928ء میں کبوتز ڈیگانیا اور دوسری چھوٹی کبوتزم نے مل کر ایک گروپ قائم کیا جس کا نام ''شیویر ہا کووتزوت'' رکھا گیا۔ اس گروپ کا فلسفہ یہ تھا کہ ایک کبوتز کی آبادی 200 افراد سے کم ہونی چاہیے کیونکہ تھوڑے افراد میں باہمی اعتماد، ہم آہنگی اور ہم خیالی زیادہ ہوتی ہے، اور اگر تعداد زیادہ ہوجائے تو باہمی اعتماد کھو جاتا ہے۔ ان کبوتز کو ''کووتزوت کبوتز'' کہا جاتا تھا۔ کووتزوت کبوتز کے یورپ کے نوجوانوں کے گروپوں سے رابطے بھی نہیں تھے۔

مرکزی دھارے کی کبوتز تحریک ''کبوتز ہامیوہاد'' یعنی ''متحدہ کبوتز'' کے نام سے معروف ہوئی۔ کبوتز ہامیوہاد نے آرتزی اور کووتزوت پر اشراف پسندی کا الزام لگایا۔ آرتزی پر الزام لگایا گیا کہ وہ خود کو سوشلسٹ ایلیٹ (Socialist Elite) تصور کرتی ہے جبکہ کووتزوت کی کبوتز کو چھوٹا رکھنے کی پالیسی پر تنقید کی گئی۔

ہامیوہاد کی کبوتزم کی پالیسی تھی کہ کبوتز میں جتنے زیادہ افراد کو بسایا جانا ممکن ہو بسایا جانا چاہیے۔ ان تحریکوں میں مذہبی اختلافات بھی تھے۔ آرتزی کبوتزم سیکولر بلکہ سخت گیر دہریہ (Atheist) ہوتی تھیں۔ ان کے باسی فخریہ کہتے تھے کہ ہمارے معبد بے خدا ہیں۔ بیشتر کبوتزم اپنے آباؤاجداد کی قدامت پسندانہ یہودیت سے نفرت کرتی تھیں۔ تاہم اس نفرت کے باوجود ان کی خواہش یہ بھی تھی کہ ان کی یہودی خصوصیات برقرار رہیں مثلاً

جمعے کی رات کو ''سبت کی رات'' کے طور پر منایا جاتا تھا اور میز پر سفید چادر بچھا کر عمدہ کھانے کھانے کی روایت کی پابندی کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اگر ممکن ہوتا تو ہفتے کے دن کام نہ کیے جاتے۔ آگے چل کر بعض کبوتزم نے یوم کپور کے دن کو کبوتز کے مستقبل کے بارے غور و فکر کے لیے مخصوص کر دیا۔ ان کبوتزم میں بار متزوا (Bar Mitzvah) یعنی مذہبی تعلیمی ادارے بھی ہوتے تھے۔

اگر چہ کبوتز نک دن میں کئی بار عبادت نہیں کرتے تھے تاہم وہ شاووت، سکوت اور پاس اوور جیسے تہوار منایا کرتے تھے۔ اس دوران وہ رقص کرتے، کھاتے پیتے اور دوسرے طریقوں سے خوشی مناتے تھے۔ کبوتزم میں ''درختوں کی سال گرہ'' نامی تہوار، جسے عبرانی میں ''تو بیشوات'' کہا جاتا ہے، ایک بار پھر جوش و خروش کے ساتھ منایا جانے لگا۔ الغرض فطرت سے ہم آہنگ تہوار کبوتزم میں انتہائی مسرت کے ساتھ منائے جاتے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مذہبی رجحانات رکھنے والی کبوتزم بھی آباد کی گئیں۔ پہلی مذہبی کبوتز ''آئین تزورم'' 1946ء میں قائم کی گئی تھی۔ مذہبی کبوتزم کا ایک گروہ ''کبوتز ذاتی'' کے نام سے معروف ہوا۔ اگر چہ مذہبی کبوتزم میں مذہب کا غلبہ ہوتا ہے تاہم وہ اجتماعیت کے وصف کے حوالے سے سیکولر کبوتزم سے سو فی صد مماثلت رکھتی تھیں اور رکھتی ہیں۔

ریاستِ اسرائیل کی تشکیل و تعمیر میں کبوتزم کا کردار

ریاستِ اسرائیل کے قیام سے پہلے عثمانیوں کے زمانے میں کبوتزم کو سیاسی تشدد کی بجائے مجرمانہ تشدد سے پریشانی لاحق تھی۔ اس زمانے میں ملک میں یہودیوں کو عربوں کی طرف سے زیادہ مخالفت در پیش نہیں ہوتی تھی۔ عرب مخالفت میں اضافہ ''بالفور ڈیکلریشن'' (Balfour Declaration) اور مختلف ''ایلیاہ'' کے دوران یہودیوں کی فلسطین میں آمد اور آباد کاری میں اضافے کے بعد ہوا تھا۔ 1930ء کی دہائی کے دوران عرب معاندت سے نبرد آزما ہونے کے لیے کبوتزم کا عسکری کردار زیادہ نمایاں ہونا شروع

ہوا۔ یاد رہے اس دور کو فلسطینی تاریخ نویس ''عظیم ابھار'' (Great Uprising) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ رائفلیں خریدی اور تیار کی جانے لگیں اور کبوتزم کے باسی نشانے بازی کی مشقیں کرنے لگے۔

کبوتزم نے مستقبل کی ریاستِ اسرائیل کی سرحدوں کے تعین میں بھی ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ جب 1930ء کی دہائی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا تو فلسطین کے دور دراز علاقوں میں کبوتزم آباد کی جانے لگیں تاکہ انہیں عرب ریاست کی بجائے مستقبل کی یہودی ریاست میں (جسے اسرائیل کہلانا تھا) شامل کیا جائے۔ ان میں سے بیشتر کبوتزم کو واقعتاً رات کی تاریکی میں قائم کیا گیا تھا۔ 1946ء میں یومِ کپور سے اگلے دِن صحرائے نجف کے شمالی حصے میں گیارہ کبوتزم قائم کی گئیں تاکہ اسرائیل اس بنجر لیکن تزویراتی اعتبار سے (Strategically) اہم علاقے پر دعویٰ کر سکے۔

1948ء کی عرب اسرائیلی جنگ میں کبوتزنک نے بھرپور حصہ لیا۔ ''ماگن میکائیل'' نامی کبوتز نے سٹین گنوں کی گولیاں تیار کیں۔ بعدازاں اس اسلحہ ساز کارخانے کو اس کبوتز سے الگ کر دیا گیا جو ترقی کرتے کرتے ''تاس'' (TAAS) یعنی ''اسرائیلی ڈیفنس انڈسٹریز'' کا روپ دھار گیا۔

ریاستِ اسرائیل کے قیام کے بعد یورپ اور مسلمان ملکوں سے یہودیوں کا سیلاب اسرائیل میں اُمڈ آیا۔ جس سے کبوتزم کے سامنے کافی چیلنج اور مواقع آئے۔ اس سیلاب سے کبوتزم کو اپنی توسیع اور سستے مزدوروں کے حصول کا موقع ملا، تاہم اشکینازی کبوتزم کو ایسے یہودیوں کو بھی قبول کرنا پڑا جن کا پس منظر ان سے بہت مختلف تھا۔

کبوتزم کو درپیش پہلا چیلنج یہ تھا کہ مشرقِ وسطیٰ سے تعلق رکھنے والے لاکھوں یہودیوں کو، جنہیں مزراہی کہا جاتا ہے، کس طرح آباد کیا جائے۔ 1950ء کی دہائی تک کے تمام کبوتزنک مشرقی یورپ سے تعلق رکھتے تھے جو مراکش، تیونس اور عراق سے آنے والے اپنے عم زادوں (Cousins) سے ثقافتی اعتبار سے بہت مختلف تھے۔ انہوں نے مزراہی

یہودیوں کو اپنے ہاں روزگار تو فراہم کیا لیکن انہیں کبوتزم میں آباد ہونے کے مواقع کم فراہم کیے۔

ایک اہم تنازعہ نظریاتی حوالے سے کھڑا ہوا۔ ریاستِ اسرائیل کو امریکہ اور روس دونوں نے ابتدا ہی میں تسلیم کر لیا تھا۔ اپنے قیام کے تین سال بعد تک اسرائیل ''غیروابستہ ممالک کی تحریک'' کا حصہ رہا لیکن ڈیوڈ بین گوریان کے اقتدار میں آنے کے بعد وہ بتدریج ''مغرب'' کی ہم نوائی کرنے لگا۔ جب یہ سوال ابھرا کہ اسرائیل سرد جنگ میں کس فریق کا ساتھ دے گا تو اس پر کبوتزہ تحریک اندرونی کشیدگی کا شکار ہو گئی۔ اجتماعی ڈائننگ ہالز میں تفریق نمایاں ہوئی اور بعض کبوتزم میں اختلافات بڑھنے پر مارکسی کبوتزنک نقل مکانی کر گئے۔

ایک اور تنازعہ اس مسئلے پر کھڑا ہوا کہ ہولوکاسٹ میں بچ جانے والے یہودیوں کو ملنے والی تلافی کی رقم ان کی نجی ملکیت ہو گی یا اسے بھی مساوات کے اصول کے تحت کبوتز کے اجتماعی خزانے میں جمع کروا دیا جائے گا؟ بعض کبوتزم میں یہ رقم ساری کی ساری ہولوکاسٹ میں بچ جانے والے یہودیوں کی ملکیت میں رہنے دی گئی اور بعض کبوتزم میں اس کا کچھ حصہ اجتماعی خزانے کے لیے لیا گیا۔ اس رقم سے کبوتزم کی توسیع کے کام کروائے گئے نیز تفریح گاہیں تعمیر کی گئیں۔

ریاستِ اسرائیل کے قیام کے بعد کے ابتدائی عشروں میں کبوتزنک مستقل اور بتدریج ترقی کے ثمرات سے بہرہ مند ہوئے اور ان کا طرزِ زندگی بہت اچھا ہو گیا۔ 1960ء کی دہائی کے دوران کبوتزم کے طرزِ زندگی میں اسرائیل کی باقی آبادی کی نسبت زیادہ بہتری آئی۔ کبوتزم کے اکثر سوئمنگ پولز (Swimming Pools) اسی زمانہ خوش حالی کی یادگار ہیں۔

کبوتزم نے اسرائیل کے دفاع میں اہم اور نمایاں ترین کردار ادا کیا۔ 1950ء اور 1960ء کی دہائیوں کے دوران اسرائیلی ڈیفنس فورسز کے ایک گروپ ''ناحال'' نے بہت سی کبوتزم آباد کیں۔ ''ناحال کبوتزم'' کو ریاست کی سرحدوں کے قریب بسایا گیا تھا۔

''چھ روزہ جنگ'' کے دوران اسرائیل کے 800 فوجی ہلاک ہوئے تھے، ان میں سے 200 کا تعلق کبوتزم سے تھا۔ 1960ء میں کبوتزنک کی سیاسی اہمیت کا ثبوت یہ ہے کہ مجموعی آبادی کا صرف 4 فی صد ہونے کے باوجود کنیسیٹ میں کبوتزنک کی نمائندگی 15 فی صد تھی۔ 1970ء کی دہائی تک کبوتزم معاشی آسودگی سے فیض یاب رہیں اوران کا شمار اسرائیل کی مڈل کلاس میں ہوتا تھا۔

کبوتز تحریک کی آئیڈیالوجی

پہلی ایلیاہ کرنے والے یہودی مذہبی تھے تاہم دوسری ایلیاہ کرنے والے یہودی مذہبی نہیں تھے۔ یہ وہ یہودی تھے جنہوں نے ''ڈیگانیا'' بسائی تھی۔ اگرچہ وہ نوجوان ''بائبل کی سرزمین'' کو آباد کر رہے تھے، تاہم وہ سینا گوگ جانے والوں میں سے نہیں تھے یعنی عبادت گزار نہیں تھے۔ وہ تو قدامت پسندانہ یہودیت کو یہودیوں کے راستے کی رکاوٹ تصور کرتے تھے۔ کبوتز تحریک کی روحانیت کی اساس ''محنت'' تھی اور برل کائزنیلسن جیسے لیبر صیہونیوں (Labor Zionists) کے ایسے بیانات کی آئینہ دار تھی کہ ''یہودی محنت کش جہاں ہوتے ہیں، خدا وہیں ہوتا ہے۔''

''محنت'' پر یقین رکھنے والے کبوتز صیہونیوں نے ''ارتز یسرائیل'' کو کھیتوں، باغات، نئی بستیوں اور زندگی کے دوسرے آثار سے مالا مال کر دیا اور صحرا کو گلزار بنا دیا۔

ابتداً سوشلسٹ صیہونی کبوتزنک کو یقین تھا کہ عرب کاشت کار مقامی زمین داروں (آفندیوں) کے مقابلے میں ان کا ساتھ دیں گے تاہم بعدازاں ان کے کاشت کارانہ اتحاد کے خواب ٹوٹ گئے اور 1930ء کی دہائی کے اواخر میں کبوتزنک عسکریت اپنانے لگے۔ فلسطین میں آنے والے اولین صیہونی ایک یہودی وطن آباد کرنے کی بجائے ایک ایسا ''معاشرہ'' تخلیق کرنا چاہتے تھے جہاں سارے انسان برابری کی بنیاد پر جیئیں۔ اولین کبوتزنک دوسروں کے لیے محنت کرنے سے آزاد ہونا اور استحصال سے نجات پانا چاہتے تھے۔ اسی سے یہ نظریہ پیدا ہوا کہ سب یہودی اکٹھے ہوں اور ''ہر فرد اپنی اہلیت کے

مطابق کام کرے اور اپنی ضروریات کے مطابق حاصل کرے۔''

کبوتزنک قدامت پسند مارکسی نہیں تھے۔ مارکسی کسی ملک یا قوم پر یقین نہیں رکھتے تھے جبکہ کبوتزنک صیہونیوں کی طرح ملک یا قوم پر واضح یقین رکھتے تھے۔ روایت پسند مارکسی صیہونیت کے مخالف تھے، حدتو یہ ہے کہ وہ اس کے مارکسی روپ کے بھی مخالف تھے۔ 1960ء تک سخت گیر کبوتزنک نے مارکسزم کو رڈ کر دیا۔ تاہم آج بھی بہت سی کبوتزم اسرائیل میں بائیں بازو کی آئیڈیالوجی کو ماننے والوں کے مضبوط گڑھ ہیں۔ اگر چہ کبوتزنک کمیونزم پر عمل کرتے تھے تاہم ان کا یہ بھی ایقان تھا کہ کمیونزم سب کے لیے کارگر نہیں ہے۔ کبوتز سیاسی پارٹیوں نے نجی ملکیت کو ختم کرنے کا نعرہ کبھی نہیں لگایا۔ کبوتزنک کبوتزم کو سرمایہ دارانہ نظام کی حدود کے اندر قائم کیے گئے اجتماعی ادارے مانتے ہیں۔ کبوتزم کا نظام جمہوری ہے اور کبوتزم میں انتخابات کا انعقاد باقاعدہ ہوتا ہے جبکہ وہ ملکی انتخابات میں بھی سرگرمی سے حصہ لیتی ہیں۔ کبوتزنک جمہوری سیاسی عمل پر یقین رکھتے ہیں اور انہوں نے ''پرولتاریہ کی آمریت'' کا نعرہ کبھی نہیں لگایا۔

موشاوم

اسرائیل میں کبوتزم واحد اجتماعی بستیاں نہیں ہیں بلکہ ریاستِ اسرائیل کے قیام سے پہلے ہی سے ''موشاوم'' (واحد موشاو) قائم کی گئی تھیں، جہاں مشترکہ کاشت کاری کا رواج ہے اور پیداوار کو اجتماعی طور پر فروخت کیا جاتا ہے۔ اگر چہ موشاوم کبوتزم سے کم مشہور ہیں تاہم ان کی تعداد اور آبادی ہمیشہ کبوتزم سے زیادہ رہی ہے۔

کبوتزم کا طرزِ زندگی

کبوتزم میں برابری کے اصول کی پابندی 1970ء کی دہائی تک سختی سے کی جاتی رہی۔ اس عرصے میں کبوتزنک کے پاس ذاتی مال مویشی اور اوزار و آلات نہیں ہوتے تھے۔ حدتو یہ ہے کہ ان کے کپڑے بھی ذاتی ملکیت نہیں ہوتے تھے۔ کبوتزم کے باہر سے ملنے والے تحفے اور باہر کمائی گئی رقوم بھی اجتماعی خزانے میں جمع کرا دیا جاتا تھا۔ اُس زمانے میں

اگر کسی کبوتزنک کا کوئی عزیز اسے اپنی خدمات بھی تحفتاً پیش کرتا تو اس پر شام کے وقت باقاعدہ بحث ہوتی تھی کہ اس تحفے کو قبول کیا جائے یا نہیں۔

چلڈرنز سوسائٹی

کبوتزم میں پیدائش کی شرح بہت کم رہی ہے۔ جب کبوتزنک کے ہاں بچے پیدا ہوئے تو ان کی ملکیت کا سوال پیدا ہوا کہ وہ انفرادی ملکیت ہیں یا اجتماعی۔ جب کبوتزنک نے بچوں کو کھیل کے دوران کھلونے ایک دوسرے سے چھینتے اور اپنے قبضے میں لیتے دیکھا تو وہ بہت فکرمند ہوئے کہ ان کے بچوں کے ایسے ''انا پسندانہ'' رجحانات کس طرح ختم ہوں گے؟ وہ متفکر تھے کہ تعلیم وتربیت کے باوجود ان کے بچوں میں ایسے رجحانات کیوں پیدا ہوئے ہیں؟ انہوں نے بچوں کو ماں باپ سے دُور اجتماعی پرورش گاہوں میں بھیجنے کی روایت ڈالی۔ ان اجتماعی پرورش گاہوں کو ''موساد ہینوشی'' (چلڈرنز سوسائٹیز) کہا جاتا تھا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ تربیت یافتہ نرسیں اور ٹیچرز اناڑی ماں باپ کی نسبت بہتر پرورش کنندگان ثابت ہوں گے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح بچوں کو ایڈی پس کمپلیکس جیسے نفسیاتی عارضوں سے بچایا جانا ممکن ہوگا۔ ان کا خیال تھا کہ بچوں کی اس طرح پرورش سے والدین کو بھی بہتر زندگی گزارنے کا موقعہ ملے گا۔ آگے چل کر کبوتزم کی عورتوں نے ''چلڈرنز سوسائٹیز'' کے نظام کے خاتمے میں اہم کردار ادا کیا۔

کبوتزم میں اجتماعیت کو انفرادیت پر ہر حوالے سے فوقیت دی جاتی ہے۔ اجتماعی ڈائننگ ہال بنائے گئے تھے جہاں سارے کبوتزنک مل کر کھانا کھاتے تھے، تاہم میاں بیوی کے اکٹھے بیٹھنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی تھی۔ 1950ء کی دہائی میں کبوتزم کی انتظامیہ نے اپنے باسیوں کے لیے چائے کی کیتلیاں خریدنے سے اس دلیل کے ساتھ انکار کر دیا تھا کہ چائے کی کیتلیاں دی گئیں تو کبوتزنک اجتماعی ڈائننگ ہال کی بجائے زیادہ وقت اپنے اپارٹمینٹس میں گزاریں گے۔ اگرچہ کبوتزم کے مستقبل کے حوالے سے کیے جانے والے فیصلے ووٹنگ کے ذریعے عمل میں آتے تھے تاہم روزمرہ کے فیصلے منتخب لیڈر کیا کرتے تھے۔

کبوتزم کے اراکین کو مختلف کام کرنے ہوتے تھے۔ اگر کوئی کبوتز نک ایک ہفتے کاشت کاری کرتا تو دوسرے ہفتے اسے مال مویشی سنبھالنے ہوتے تھے، اگلے ہفتے اسے فیکٹری میں کام کرنا ہوتا تھا اور اس سے اگلے ہفتے لانڈری میں۔ برابری کے اصول کے تحت مینیجرز کو بھی چھوٹے چھوٹے کام کرنے پڑتے تھے۔

کبوتز کا منفرد کلچر

کبوتزم میں ٹین ایج لڑکے لڑکیوں کے اکٹھے رہنے کے باوجود کبوتز لڑکیاں اپنی عمر کی امریکی لڑکیوں کے برعکس جسموں کو عیاں کرنے والے لباس نہیں پہنتی ہیں۔ کبوتز میں طلاق کی شرح بھی بہت کم ہے۔ کبوتزم ہمیشہ انتہائی تہذیب یافتہ مقامات رہی ہیں۔ بیشتر کبوتز نک ادیب، اداکار، مصور، گلوکار اور رقاص ہوتے ہیں۔ کبوتزم میں کھیلوں اور فنون کی تنظیمیں کثرت سے ہوتی ہیں۔

کبوتز کی معیشت

ابتدا میں کبوتز نک نے انڈوں، دودھ اور دودھ سے تیار ہونے والی اشیاء سے لے کر پھلوں اور گوشت تک تمام قسم کی زرعی پیداوار میں خود انحصار ہونے کی کوشش کی لیکن انہیں تجربے سے پتا چلا کہ خود انحصاری ناممکن ہے۔ اسی طرح جب کبوتزم کی توسیع کا مرحلہ آیا تب بھی کبوتز نک کو علم ہوا کہ خود انحصاری ممکن نہیں، اور انہیں یہودی خیراتی اداروں اور ریاستِ اسرائیل سے مالی امداد لینی پڑی۔ اس امداد میں کم شرحِ سود والے قرضوں کے علاوہ پانی بھی شامل تھا۔ چونکہ اسرائیل میں 1990ء کی دہائی تک شرحِ سود عموماً 30 فی صد سے بھی زیادہ رہی، اور پانی انتہائی مہنگا ہے، اس لیے کبوتز نک کے لیے یہ امداد بہت بڑا سہارا تھی۔

ریاستِ اسرائیل کے قیام سے پہلے ہی سے کبوتزم میں زراعت کے ساتھ ساتھ مصنوعات کی تیاری کا کام بھی شروع ہو چکا تھا۔ مثال کے طور پر کبوتز ڈیگانیا میں، جو کہ سب سے پہلی کبوتز ہے، ہیرے تراشنے کے آلات تیار کیے جانے شروع ہوئے اور آج یہ صنعت

کروڑوں ڈالر سالانہ آمدنی دے رہی ہے۔ کبوتزم میں ہی ڈرپ اری گیشن (Drip Irrigation) کی تیکنیک ایجاد کی گئی تھی۔ کبوتز ہاتزیرم میں ڈرپ اری گیشن کے لیے آلات کی تیاری کے لیے فیکٹری قائم کی گئی۔ ہاتزیریم ''نیتافیم'' کے نام سے کاروبار کرتی ہے، جو کہ ایک ملٹی نیشنل کارپوریشن ہے اور اس کی سالانہ آمدنی 30 کروڑ ڈالر سے زیادہ ہے۔ ''ماگان میکائیل'' میں بندوقوں کی گولیوں سے لے کر پلاسٹک کی اشیاء اور میڈیکل ٹولز (Medical Tools) تک بنائے جاتے ہیں۔ ماگان میکائیل کے کارخانے 10 کروڑ ڈالر سالانہ سے زیادہ کماتے ہیں۔ 1960ء کی دہائی کے دوران کبوتزم میں صنعتیں لگانے کا سلسلہ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ صرف 15 فی صد کبوتز نک زراعت کے شعبے میں کام کرتے ہیں، کبوتزم کی باقی ساری آبادی صنعتوں سے روزی کمارہی ہے۔

کبوتزم میں انڈسٹریلائیزیشن (Industrialization) کا آغاز تب ہوا تھا جب زراعت کے شعبے میں تمام کبوتز نک کو کھپانا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کی دوسری وجہ ریاستِ اسرائیل کا دباؤ تھا۔ اسرائیل 1950ء اور 1960ء کی دہائیوں کے دوران دنیا کے بدترین تجارتی خسارے کے شکار ملکوں میں شامل تھا۔ لہٰذا حکومت نے اس بحران سے نبرد آزما ہونے اور برآمدات بڑھانے کے لیے کبوتزم پر زور ڈالا کہ وہ صنعتیں لگائیں۔

فصلوں کی کٹائی کے دِنوں میں زیادہ افراد کی ضرورت ہوتی تھی جبکہ کبوتز تحریک ''محنت'' کے ذریعے یہودی قوم کو دوبارہ عروج پر لے جانے کے نظریے کے تحت یہودیوں کے سوا کسی سے کام لینے کو بُرا سمجھتی تھی۔ تاہم مجبوراً انہیں فلسطینیوں سے کام لینا پڑا۔ آج کل فلسطینیوں کی جگہ تھائی باشندوں نے لے لی ہے۔

1960ء کی دہائی کے دوران کبوتزم میں انڈسٹریلائیزیشن ہوئی اور آج کل کبوتزم سیاحت اور سروسز کے شعبوں میں ترقی کر رہی ہیں۔ کبوتزم میں ہوٹل، گیسٹ ہاؤسز اور لافرمز کھل چکی ہیں، جس سے روزگار کے نئے مواقع پیدا ہوئے ہیں۔ 1980ء کی دہائی کے دوران کبوتز نک میں چھوٹے چھوٹے کاروباری ادارے بنانے اور سٹاک مارکیٹ میں

سرمایہ کاری کرنے کا رجحان زور پکڑ گیا۔

بہت سی کبوتزم کے اکثر باسیوں کو کبوتزم سے باہر کام کرنے پڑتے ہیں۔ تاہم انہیں اپنی آمدنی کا ایک خاص حصہ اجتماعی خزانے میں جمع کروانا پڑتا ہے۔ شہری کبوتزم میں سے ''کبوتز تموز'' ایسی ہے، جس کے تمام باسی کبوتز سے باہر کام کرتے ہیں۔

کبوتز کلچر میں تبدیلی

گزشتہ بیس برسوں میں کبوتزم میں بہت تبدیلیاں آئی ہیں۔ جب کبوتز نک کو بجلی مفت ملتی تھی تو وہ اپنے گھروں میں ایئر کنڈیشنر چلتے چھوڑ جاتے تھے۔ آخر 1980ء کی دہائی سے گھروں میں میٹر لگا دیے گئے اور خرچ ہونے والی بجلی کا بل وصول کیا جانے لگا۔ اسی طرح اجتماعی ڈائننگ ہالز میں جب تک کھانا مفت ملتا تھا، لوگ بہت سارا کھانا بچا دیتے تھے، جسے بعد میں جانوروں کو کھلانا پڑتا تھا۔ اب کبوتز نک کو پیسے ادا کر کے کیفے ٹیریا سے کھانا خریدنا پڑتا ہے۔

اب 75 فی صد اجتماعی ڈائننگ ہال دِن میں تین مرتبہ نہیں کھلتے اور اجتماعی کھانے کھانے کا سلسلہ کافی حد تک محدود ہو چکا ہے۔ کبوتز نک اپنے گھرانوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں ہی کھانا کھاتے ہیں۔ اب بیشتر کبوتز نک کے گھروں میں دوسرے اسرائیلیوں کے گھروں کی طرح ڈی وی ڈی پلیئر اور انٹرنیٹ موجود ہیں۔ کبوتز نک ماضی کے مقابلے میں آج کل اجتماعی سرگرمیوں میں کم شرکت کرتے ہیں۔ کائناتی موضوعات پر رات رات بھر بحث مباحثے کا سلسلہ بھی اب پہلے کی طرح باقاعدہ نہیں رہا۔

کبوتز تحریک کے برابری کے اصول سے شاید سب سے بڑا انحراف یہ ہے کہ اب کبوتز نک کی تنخواہیں یکساں نہیں ہوتیں۔ اب ایک مینیجر کو ایک فیکٹری یا زرعی ورکر کے مقابلے میں زیادہ تنخواہ ملتی ہے۔

1970ء کی دہائی کے دوران ''چلڈرنز سوسائیٹیز'' توڑ دی گئیں اور روایتی گھرانے بحال ہو گئے۔ اَب یہ معمول ہے کہ جب بچے سولہ سال کے ہوتے ہیں تو ان کے

والدین انہیں الگ اپارٹمنٹ لے دیتے ہیں۔تاہم بعض کبوتز نک اپنے بارہ سال سے زیادہ عمر کے بچوں کو''چلڈرنز سوسائیٹیز''میں بھیج دیتے ہیں۔

کبوتزم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں زیادہ تر ایشکینازی یہودی رہتے ہیں یعنی یورپی ملکوں سے آنے والے یہودی۔ اس وجہ سے دیگر یہودی (مزراہی یا سیفرڈی) انہیں ناپسند کرتے ہیں۔کبوتز نک کو اسرائیلی معاشرے میں ناپسند کیے جانے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ یہ زیادہ تر سیکولر ہیں جبکہ دوسرے اسرائیلی کبوتزم کے باسیوں کے مقابلے میں زیادہ مذہبی ہیں۔ 1980ء کی دہائی کے دوران ایتھوپیا سے آنے والے یہودیوں کے کبوتزم میں آباد ہونے پر پابندی لگادی گئی تھی۔ریاست کوڈر تھا کہ اس سے ان کی مذہبیت متاثر ہوگی اور وہ سیکولر بن جائیں گے۔

موجودہ دور کے کبوتز نک نہ تو اسرائیل کو تبدیل کرنے چاہتے ہیں اور نہ دنیا کو، تاہم وہ اسرائیل کی بیشتر ماحولیاتی تحریکوں میں فعال کردار ادا کررہے ہیں۔بعض کبوتزم میں شمسی توانائی سے کام لیا جارہا ہے۔کبوتز نک اسرائیل میں چلنے والی امن تحریکوں میں بھی نمایاں کردار ادا کررہے ہیں۔

اس وقت اسرائیل میں 250 سے زیادہ کبوتزم موجود ہیں۔اگرچہ معاشی اعتبار سے انہوں نے ترقی کرلی ہے لیکن وہ اپنی سوشلسٹ پہچان کھوچکی ہیں اور کبوتز نک کا نظریاتی ولولہ ماند پڑچکا ہے۔